SALMAN's CHOICE

جہاز کا بھوت



اے حمید

شروع اللہ کے نام سے جو حد درجہ مہربان، رحم کرنے والا ہے۔

ناول بشکریہ اینڈ ملکیت
حسن رضا سردار وصفی
سکینگ کلینگ از سلمان سلیم

زرتاش مشن

جہاز کا بھوت

اے حمید

پیارے ساتھیو!
پیارے دوستو!

میں آپ سب پیارے دوستوں کے پیارے پیارے خطوں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اس دفعہ امریکہ کے شہر بالٹی مور کے ٹیلی ویژن سٹیشن یعنی چینل نمبر ۷ (سات) کی اناؤنسر باربرا مور کی بیٹی سمانتھا مور کا بھی ایک خط ہمیں ملا ہے جس نے لکھا ہے کہ وہ اردو نہیں پڑھ سکتی مگر اس نے زرتاش مشن کی کتابوں کو پڑھنے کے لیے ایک ماسٹر صاحب رکھ لیے ہیں جو انہیں انگریزی میں ترجمہ کر کے زرتاش مشن کی جاسوسی کہانی سناتے ہیں۔ سمانتھا مور نے وعدہ کیا ہے کہ اپنے اگلے خط میں وہ اپنی تصویر اور اپنی رائے بھی لکھے گی۔

دوستو! ہمارے ساتھیوں میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ اس سے ہمارے حوصلے بلند ہو رہے ہیں اور میں آپ کے لیے نئے نئے انوکھے اور

ب

سنسنی خیز پلاٹ زرتاش سے سن سن کر آپ کے لیے لاتا ہوں۔اس بار بھی آپ کی خدمت میں زرتاش ایک عجیب و غریب مشن کی کہانی پیش کر رہا ہے۔ بات کچھ اور ہوتی ہے مگر نکلتی کچھ اور ہے؟ اصل راز کیا تھا؟ یہ آپ پڑھیں گے تو پتہ چلے گا۔

ہر کتاب کی طرح اس کتاب کی کہانی بھی مکمل اور آخر میں حیران کر دینے والی ہے۔ اگلے ناول تک کے لیے خدا حافظ!

آپ کا انکل

اے حمید

- آدھی رات کو قبرستان میں آنا۔
- جہاز کا بھُوت۔
- ہوا میں اُڑتے انسان کا راز۔
- کفن پوش ماں کا بیٹا۔
- بھید کھُل گیا۔

آدھی رات کو قبرستان میں آنا

"ہُو... ہُو... ہُو"

بڑی ڈراؤنی آواز تھی۔ یہ کسی عورت کی آواز تھی جیسے سردی لگ رہی ہو۔ پروفیسر زرتاش یونیورسٹی کیمپس والے اپنے نئے فلیٹ کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔ رات کے پونے بارہ بج رہے ہیں۔ آتشدان میں سوئی گیس کا ہیٹر جل رہا تھا باہر بڑے زور کی بارش ہو رہی تھی۔ زرتاش کا اسسٹنٹ ٹیڈی پروفیسر زرتاش کے پاس کافی کی پیالی رکھ کر اپنے کمرے میں جا کر سو گیا تھا۔ آج بڑی سردی تھی۔ سوئی گیس کے ہیٹر کی وجہ سے ڈرائنگ روم کی فضا نیم گرم تھی۔

پروفیسر زرتاش پُراسرار آواز سن کر پڑھتے پڑھتے ایک بار پھر رُک گیا۔ یہ آواز اسے دوسری بار سنائی دی تھی۔ آواز ایک بار پھر غائب ہو گئی۔ ڈرائنگ روم میں بارش کی آواز کے سوا اب کوئی آواز نہیں تھی۔ پروفیسر زرتاش نے سوچا کہ شاید باہر باغ کے کسی درخت

پر کوئی اُلو بولا تھا۔ وہ پھر کتاب پڑھنے لگا۔ اب اچانک گھنگھروؤں کی آواز سنائی دینے لگی جیسے باہر باغ میں سے کوئی رقاصہ پاؤں میں گھنگھرو باندھے چھن چھن کرتے گذر رہی ہے۔ زرتاش حیران ہونے لگا کہ آدھی رات کو اس قدر سردی اور موسلا دھار بارش میں وہاں کونسی رقاصہ آ سکتی ہے۔ گھنگھروؤں کی آواز ایک دم رُک گئی۔ زرتاش کمرے کی کھڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا جو بند تھی اور پچھلے صحن کے باغ میں کھلتی تھی۔ یہ آواز اسی کھڑکی میں سے آ رہی تھی۔ اب چوڑیوں کی جھنکار سنائی دی۔ جیسے کوئی عورت بازو میں چوڑیاں ڈالے انہیں جھنکار رہی ہو۔ یہ آواز بھی رک گئی۔

پروفیسر زرتاش حیران ہو رہا تھا کہ یہ گھنگھرو، یہ چوڑیوں کی جھنکار اور یہ ہُو ہُو کی آواز کیسی ہے؟ یہ کسی اُلو کی آواز نہیں ہو سکتی تھی۔ اتنے میں ایک عورت کی آواز سنائی دی جو بڑے درد بھرے لہجے میں آہستہ آہستہ رک رک کر ہلکی ہلکی سسکیاں بھرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"میرے بیٹے خالد! تم کہاں ہو؟ میرے بیٹے خالد کو بچاؤ ....میرے بیٹے کو مجھے ملا دو مجھے سردی لگ رہی ہے .... سردی لگ رہی ہے۔"

پروفیسر زرتاش ایک دم سے اٹھا۔ اس نے کتاب میز پر رکھی اور کھڑکی کھول کر باہر دیکھا۔ تیز بارش اور سرد ہوا اور رات کے اندھیرے میں اسے کوئی عورت نظر نہ آئی۔ زرتاش نے آواز دی۔

"کون ہو تم؟"

کوئی جواب نہ آیا۔ بارش اور تیز ہوا کے سوا کوئی آواز نہیں تھی۔ زرتاش نے کھڑکی بند کر دی۔ کیونکہ اسے سردی لگ رہی تھی اور بارش کی بوندیں اس کے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔ وہ ہیٹر کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ یہ کیا راز ہے؟ گھنگھرو کی چھنکار، چوڑیوں کی جھنکار، ہُو ہُو ہُو کی ڈراؤنی آواز اور اپنے بیٹے خالد کو پکارنے والی عورت کون تھی؟ کیا یہ اس کا وہم تھا یا یہ کسی روح کی آواز تھی جو اپنے بیٹے کی تلاش میں بھٹکتی پھر رہی ہے؟

پروفیسر زرتاش جن بھوت اور روحوں پر یقین نہیں رکھتا تھا۔ اس نے اپنا سر جھٹک کر کہا۔

"یہ میرا وہم تھا" اور دوبارہ کتاب پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔

پروفیسر زرتاش رات کے ایک بجے تک کتاب پڑھتا رہا۔ پھر اس نے ٹیبل لیمپ بجھا دیا اور سو گیا۔ اس کے بعد وہ پُراسرار آوازیں پھر سنائی نہ دیں۔

صبح ناشتے کی میز پر پروفیسر زرتاش نے اپنے اسسٹنٹ ٹیڈی سے رات والے پراسرار واقعے کا ذکر کیا تو وہ ہاتھ باندھ کر بولا۔

"سر! خدا کے لیے جن بھوتوں کی بات نہ کریں۔ نہیں تو میں یہاں سے انشاءاللہ غفیل ہو جاؤں گا یعنی بھاگ جاؤں گا۔"

زرتاش نے پیالی میں چمچ ہلاتے ہوئے کہا۔

"میں کب کہتا ہوں کہ وہ کوئی جن بھوت تھا۔ میں تو

کہتا ہوں کہ وہ میرا وہم تھا۔"

ٹیڈی ٹوسٹ پر مارملیڈ لگا رہا تھا کہنے لگا۔ ۔ۡکیس

"سوری باس! اس کا مطلب ہے کہ آپ کے دماغ کی لوڈ شیڈنگ شروع ہو گئی ہے۔ آپ کو گھنگھرو، چوڑیوں کی چھنکار اور اُلو کی ہُو ہُو کی آوازیں آنے لگی ہیں۔ یہ تو بڑی دھڑن تختہ بات ہے۔"

زرتاش نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میرا دھڑن تختہ نہیں ہوتا۔ فکر نہ کرو۔ لیکن ٹیڈی! میں نے عورت کی درد بھری آواز صاف سُنی تھی۔ وہ اپنے بیٹے خالد کو پکار رہی تھیں۔"

ٹیڈی نے سر پر ہاتھ مار کر کہا۔

"دھڑن تختہ! خدا کے لیے ایسی جیٹر جنگ ہرڑ پو پو ایسی باتیں نہ کریں۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

زرتاش بولا۔

"یہ آوازیں مجھے دو بار سنائی دی تھیں اگر میرا وہم ہوتا تو دوسری بار یہ آواز کیوں آتی؟"

ٹیڈی نے کپ میز پر رکھ دیا

"لگتا ہے سر کہ رات کو آپ کے دماغ کا وی سی آر چلنے لگتا ہے اور اس پر آج کل کوئی ڈراؤنی وڈیو ٹیپ چل رہی ہے۔"

کوئی جوڑ۔ پروفیسر زرتاش گہری سوچ میں تھا۔ کہنے لگا۔

زرتاش نے "ہو سکتا ہے یہ میرا وہم ہو۔ میرے دماغ کی شرارت ہو۔ لیکن... لیکن کی بو"

ٹیڈی نے جلدی سے کہا۔

"لیکن کچھ نہیں باس... رات کو آپ کے دماغ کے ٹی وی کا کوئی ایکسٹرا چینل چل پڑتا ہے۔ دھڑن تختہ۔ چائے اور بناؤں؟"

زرتاش نے اپنا پیالہ ٹیڈی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اچھا بچو! اب اگر وہ آواز آئی تو میں تمہیں جگا دوں گا۔"

"اوہ نو پلیز! خدا کے لیے مجھے نہ جگانا۔ میرا تو دھڑن تختہ ہو جائے گا۔ یہ بتائیں کہ آج روائیٹ یعنی روٹیوں کے ساتھ کونسا سالن پکایا جائے؟"

زرتاش نے مسکرا کر کہا۔

"پلیٹی جب ہوتا تھا تو مجھے گنڈیریوں کا سالن اور کھچڑی کی کھیر پکا کر دیا کرتا تھا۔"

ٹیڈی نے قہقہہ لگا کر کہا

"سر! معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر پلیٹی کے دماغ کا بھی کوئی بلب فیوز ہو چکا تھا۔ مگر میں آج آپ کو برف کے ساتھ کریلے پکا کر کھلاؤں گا۔"

"معلوم ہوتا ہے تم پر بھی پلیٹی کا اثر ہو گیا ہے۔"

زرتاش نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ٹیڈی بولا۔

"معاف کرنا سر! پلیٹی تو صرف ایک پہیے کا سائیکل تھا۔ میرا دماغ تو جیگوار سپورٹس کار کی طرح چلتا ہے۔ جی ہاں۔ دھڑن تختہ!"

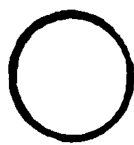
پروفیسر زرتاش نے گرم جیکٹ کے بٹن بند کرکے بریف کیس اٹھایا اور کہا۔

"میں کالج جا رہا ہوں۔ بارش بند ہو گئی ہے۔ تم آج کہیں برف کرلے نہ پکا لینا۔ بس کوئی سبزی لاکر تیار کر رکھنا۔"

پروفیسر زرتاش کالج چلا گیا تو اسسٹنٹ ٹیڈی نے اپنے گول مٹول سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اپنے آپ سے کہا۔

"اور سیکھو جاسوسی ٹیڈی! کھانے پکوا پکوا کر یہ پروفیسر تمہارا دھڑن تختہ کر دے گا۔"

پھر اسے خالی فلیٹ میں سے اچانک خوف سا محسوس ہونے لگا اسے پروفیسر زرتاش کی پُراسرار روح کی آوازوں کا خیال آگیا تھا۔ وہ جلدی سے باورچی خانے میں داخل ہو گیا اور ٹیپ ریکارڈر لگا کر آلیو یا نیوٹن جان کا انگریزی گانا سننے لگا۔ وہ گانے کی آواز سے اپنا خوف دور کرنا چاہتا تھا۔



دوسری رات ... گھپ اندھیرا ... سردی ...

اگرچہ آج رات بارش نہیں ہو رہی تھی لیکن باہر باغ میں سرد برفیلی ہوا چل رہی تھی اور درخت تیز سرد ہواؤں میں جھوم رہے تھے۔ ٹیڈی نے پروفیسر زرتاش کے پاس کافی کی پیالی رکھی تو زرتاش

نے کہا۔

"اگر آج رات بھی وہ پُراسرار روح آئی تو میں اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔"

ٹیڈی نے چیخ مار کر کہا۔

"نہیں نہیں... خدا کے لیے میرا لاجی ڈوڈا نہ بنائیں۔ میرا دھڑن تختہ نہ کریں۔ نہیں تو میں یہاں سے دمادم مست قلندر ہو جاؤں گا۔"

زرتاش ہنسنے لگا اور کالج کے سٹوڈنٹس کی کاپیاں کھول کر دیکھنے لگا۔ "اچھا اب تم جا کر آرام سے سو جاؤ۔ مجھے تھوڑا سا کام کرنا ہے۔"

ٹیڈی نے کہا۔

"پُراسرار روح کو میری طرف پارسل نہیں کریں گے نا؟"

"ارے کوئی پراسرار روح نہیں احمق وہ تو میرا وہم تھا جاؤ جا کر سو جاؤ۔"

"گ... گ... گڈ نائیٹ... ش... ش... شب بخیر!"

ٹیڈی دل میں ڈرتے ڈرتے اپنے کمرے میں چلا گیا اور اس نے اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ زرتاش مسکرانے لگا۔ پھر وہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ ڈرائینگ روم کی دیوار پر لگا ہوا کلاک رات کے ساڑھے گیارہ بجا رہا تھا۔ آتشدان میں سوئی گیس کا ہیٹر جل رہا تھا جس سے کمرے میں ہلکی ہلکی گرمائش پھیلی ہوئی تھی۔ بند کھڑکی کے آگے پردہ گرا ہوا تھا۔ باہر سردیوں کی ٹھنڈی رات میں برفیلی ہوا چل رہی تھی اور

درختوں کے جھومنے کی ہلکی ہلکی آواز آ رہی تھی۔

پروفیسر زرتاش کو قدرتی طور پر کچھ دیر کے لیے کل رات والی پراسرار آوازوں کا خیال آیا۔ پھر اس نے یہ خیال اپنے ذہن سے نکال دیا اور کام میں لگ گیا۔ کمرے میں اب سوائے باہر سے آتی ہوا کی ہلکی ہلکی آواز اور کلاک کی ٹک ٹک کے اور کوئی آواز نہیں تھی۔ زرتاش کام میں لگا ہوا تھا کہ اسے محسوس ہوا کہ گھنگھروؤں کی چھن چھن کی آواز آئی ہے۔

اس نے سر اٹھا کر بند کھڑکی کی طرف دیکھا۔ گھنگھروؤں کی آواز رک گئی۔ اب اسے چوڑیوں کی جھنکار سنائی دی۔ پھر آواز آئی۔

"ہو... ہو... ہو..."

یہ وہی کل رات والی پُراسرار آوازیں تھیں۔ پروفیسر زرتاش نے غور کیا کہ کہیں یہ اس کے دماغ کا کرشمہ تو نہیں ہے کہیں اس کا وہم تو نہیں ہے۔ اس نے غور کیا تو یہ اس کا وہم نہیں تھا۔ پھر اسی عورت کی درد بھری فریاد کرتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"میرے بیٹے خالد! تم کہاں ہو؟ میرے بیٹے خالد کو بچاؤ... میرے بچے کو مجھے ملا دو... مجھے سردی لگ رہی ہے... مجھے اندر بلا لو۔"

زرتاش کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ آج پراسرار روح نے پہلی بار اندر آنے کی فریاد کی تھی۔ اسے باہر سردی لگ رہی تھی۔ زرتاش کوئی جاہل ان پڑھ آدمی نہیں تھا۔ وہ کیمسٹری کا پروفیسر تھا اور نوجوان

تھا۔ اس نے سوچا کہ اگر یہ عورت کوئی روح ہے تو اسے اندر بُلا کر پوچھنا چاہیے کہ وہ کون ہے اور اپنے بیٹے کی تلاش میں کیوں بھٹک رہی ہے۔ زرتاش ایک سراغرساں اور جاسوس بھی تھا اسے پُراسرار کیس حل کرنے میں لطف آتا تھا۔ اُس نے اپنے خوف پر قابو پاتے ہوئے کاپی بند کر کے اپنا پائپ میز پر رکھا اور کھڑکی کے پاس جا کر پردہ ہٹایا اور پھر کچھ ڈرتے ڈرتے کھڑکی کھول دی۔

شائیں... شائیں... شائیں...

سرد ہوا درختوں سے ٹکرا کر جیسے آہیں بھر رہی تھی۔ اسے ایک بار پھر چوڑیوں کی جھنکار سنائی دی۔ لگتا تھا کوئی عورت کھڑکی کے پاس ہی اندھیرے میں کھڑی ہے۔ اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"تم... تم کون ہو؟"

ایک عورت کی خشک اور اکھڑی اکھڑی سی آواز آئی۔

"مجھے سردی لگ رہی ہے۔ مجھے اندر آنے دو۔"

زرتاش نے کہا۔

"تم عورت ہو یا کوئی روح ہو۔ جو کوئی بھی ہو اندر آ جاؤ۔"

پروفیسر زرتاش کھڑکی سے ہٹ کر ایک طرف ہو کر کھڑا ہو گیا۔ کمرے میں صرف ٹیبل لیمپ ہی جل رہا تھا جس کی روشنی میز کے اردگرد پھیلی تھی۔ زرتاش نے دیکھا کہ کھڑکی میں ایک عورت کا سفید ہیولا نمودار

ہوا اور وہ اندر کمرے میں آ کر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ زرتاش اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کا سارا جسم سفید کفن میں لپٹا ہوا تھا اور اس کے کفن میں سے شبنم کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔ کفن میں سے کافور کی بُو آ رہی تھی جو مردوں کو دفن کرنے سے پہلے لگایا کرتے ہیں زرتاش نے کہا۔

''اگر تمہیں سردی لگ رہی ہے تو ہیٹر کے پاس آ کر بیٹھ جاؤ۔''

کفن پوش عورت نے کوئی جواب نہ دیا۔ زرتاش نے پوچھا۔

''تم کون ہو؟ کیا تم زندہ عورت ہو؟''

کفن پوش عورت کا چہرہ بھی کفن میں چھپا ہوا تھا۔ صرف آنکھوں کی جگہ دو سوراخ تھے جن میں سے زرتاش کو عورت کی آنکھیں دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔ عورت کی سسکی بھرتی عجیب ڈراؤنی سی کپکپاتی آواز آئی۔ ''میں ایک روح ہوں۔ میں اپنے بیٹے خالد کو ایک نظر دیکھنے کے لیے اس دنیا میں بھٹک رہی ہوں۔ جب تک اسے نہیں دیکھ لوں گی..

سے پیار نہیں کر لوں گی واپس جنت میں نہیں جا سکتی۔''

زرتاش نے کہا۔

''محترمہ! اگر تم کوئی روح ہو تو روح تو ہر جگہ جا سکتی ہے۔ تم

نیا میں گھوم پھر کر اپنے بچے خالد کو تلاش کر سکتی ہو۔''

کفن پوش روح بولی۔

''نہیں... نہیں... نہیں... میں اپنے شہر کے قبرستان سے باہر نہیں

جا سکتی. یہ مجھے میرے گناہوں کی سزا ملی ہوئی ہے۔"

زرتاش نے آتشدان میں لگے سوئی گیس کے ہیٹر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"تمہیں سردی لگ رہی ہے۔ یہاں ہیٹر کے پاس آجاؤ۔ اور مجھے اپنی کہانی سناؤ کہ تمہارا بیٹا خالد کہاں کھو گیا ہے اور تم اس کی تلاش میں کب سے بھٹک رہی ہو۔"

کفن پوش روح آہستہ سے اپنی جگہ سے ہلی۔ پھر وہی گھنگھرو کی آواز آئی۔ ساتھ ہی چوڑیوں کی جھنکار اور ہُو ہُو ہُو کی ڈراؤنی آواز بھی سنائی دی۔ زرتاش کا جسم خوف کے مارے سرد پڑ گیا۔ وہ جلدی سے کرسی پر بیٹھ گیا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ کوئی بھٹکی ہوئی روح ہے جو اپنے گمشدہ بیٹے کی تلاش میں بھٹکتی پھر رہی ہے۔ کسی روح کو دیکھنے اور اس سے بات کرنے کا یہ اس کی زندگی کا پہلا واقعہ تھا۔ اسے اپنے دل میں ہلکا ہلکا خوف بھی محسوس ہو رہا تھا۔

کفن پوش روح ہیٹر کے پاس آکر چپ چاپ کھڑی ہو گئی۔ اس کے منہ سے ایک سرد آہ نکلی۔ پھر ایسے آواز آنے لگی جیسے وہ آہستہ آہستہ سسکیاں بھر رہی ہو۔ زرتاش نے بڑی مشکل سے اپنے دل کے خوف پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"تمہارا... تمہارا نام کیا ہے۔ تمہاری درد بھری داستان کیا ہے؟ میں پروفیسر زرتاش جاسوس ہوں۔ مجھے اپنے بچے کے بارے میں بتاؤ۔

اگر میں تمہارے بچے کو ڈھونڈ سکا تو مجھے بڑی خوشی ہو گی۔
کفن پوش روح کی سسکیاں رُک گئیں۔ اس نے آنسو بھری آواز میں آہستہ سے کہا۔
"میں تمہیں جانتی ہوں۔ جنت میں فرشتے تمہاری باتیں کیا کرتے تھے کہ تم لوگوں کی بڑی مدد کرتے ہو۔ میں اسی لیے تمہارے پاس آئی ہوں"۔
کفن پوش روح خاموش ہوگئی۔ کمرے میں ایک پُراسرار سا سناٹا چھا گیا۔ اب باہر سے تیز ہوا کی آوازیں بھی مدھم ہوگئی تھیں۔ اچانک کفن پوش روح کی آنکھوں سے نیلے رنگ کی دو شعاعیں نکل کر زرتاش کی میز پر پڑیں زرتاش ایک دم پرے ہٹ گیا۔ روح کی خشک آواز آئی۔
"یہ روشنی میری روح کی شعاعیں ہیں۔ یہ تمہیں کچھ نہیں کہیں گی۔"
زرتاش سہم کر بیٹھ گیا۔ کفن پوش روح نے کہا
"میں ایک بیوہ عورت ہوں۔ کراچی میں اپنے گیارہ سالہ اکلوتے بیٹے خالد کے ساتھ ایک کوارٹر میں رہ رہی تھی۔ میرے خاوند نے میرے لیے کچھ رقم چھوڑی تھی جس سے گذارا ہو رہا تھا۔ میں ایک کالج میں لیکچرار ہوگئی۔ میں نے خالد کو ایک اچھے سکول میں داخل کروا دیا۔ وہی میری زندگی کا سہارا تھا۔ لیکن آہ ..... میری بدقسمتی کہ ایک روز وہ گم ہوگیا۔ میں نے اسے جگہ جگہ تلاش کیا۔ پولیس میں رپورٹ درج کرائی مگر میرا بچہ خالد.. میری آنکھوں کا نور مجھے واپس نہ مل سکا۔ میں لاہور اپنی ایک سہیلی کے پاس آگئی۔ بیٹے کے غم نے مجھے بے حال کر دیا۔ اور پھر ایک روز میں اپنے بچے کے غم

میں روتی ہوئی مرگئی۔ مجھے لاہور کے ایک قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔ میری روح جنت میں بھی بے چین تھی۔ میرے کچھ گناہوں کی وجہ سے مجھے جنت کے آخری درجے میں جگہ دی گئی۔ مگر میری روح اپنے بیٹے خالد کی جدائی میں جنت میں بھی آہیں بھرتی رہی۔ پھر مجھے اس دنیا میں بھیج دیا گیا کہ میں اپنے بیٹے کو تلاش کرنے کے بعد مطمئن ہو کر اوپر جنت میں جاؤں۔ ایک آسمانی شرط کے ساتھ مجھے اس شہر کے قبرستان کے اردگرد قید کر دیا گیا ہے۔ میں یہاں سے آگے یا اوپر نہیں جا سکتی۔"

روح خاموش ہو گئی۔ زرتاش پائپ سلگانے لگا تو کفن پوش روح نے اسے تمباکو پینے سے منع کر دیا اور کہا۔

"تمباکو کا دھواں میرا دم گھونٹ دے گا یہ نہ پیئیں۔"

زرتاش نے پائپ میز پر رکھ دیا اور کہا۔

"میری بہن! اپنی داستان بیان کرتی رہو۔"

کفن پوش روح نے کہا۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم یہاں کے سب سے لائق سراغ رساں جاسوس ہو اور تم ہی میرے بچے کو تلاش کر کے مجھے ملا سکتے ہو۔ اس لیے میں پہلے بھی تمہاری کھڑکی کے پاس آکر تمہیں آوازیں دیتی رہی۔ مجھے خطرہ تھا کہ کہیں تم ایک روح کو دیکھ کر ڈر نہ جاؤ مگر تم بڑے بہادر جاسوس ہو مجھے خوشی ہے کہ تم ڈرے نہیں ہو۔ میں تمہاری مدد چاہتی ہوں۔

پروفیسر زرتاش! کیا تم میرے بیٹے کو مجھ سے ملا دو گے؟"

زرتاش نے کہا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

کفن پوش روح نے کہا۔

"شکیلہ! یہ میرا نام ہے۔ مگر میں تو ایک روح ہوں۔ اب میرا کوئی نام نہیں"

زرتاش نے کہا۔

"اے شکیلہ کی روح! کیا تم مجھے بتاؤ گی کہ کراچی میں جہاں تمہارا بچہ خالد گم ہوا تھا تم کس جگہ پر رہتی تھیں؟"

کفن پوش روح نے کہا۔

"ہمارا مکان کراچی میں سمندر کے کنارے تھا۔ پولیس نے جو تھوڑی بہت تحقیقات کی تھی اس سے انہوں نے یہی نتیجہ نکالا تھا کہ میرے جگر کے ٹکڑے خالد کو بردہ فروش سمگلر اغوا کر کے لے گئے ہیں۔ پولیس کا خیال ہے کہ کراچی سے بیس میل دور سمندر میں کوئی آسیبی جزیرہ ہے۔ میرا بیٹا وہاں جا کر لاپتہ ہو گیا ہے"

زرتاش نے خالی پائپ منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

"پولیس وہاں نہیں گئی تھی؟"

کفن پوش روح نے کہا۔

"وہاں جاتے ہوئے سب ڈرتے ہیں کہتے ہیں وہاں جو کوئی گیا ہے

واپس نہیں آیا۔ پھر سمندر میں اس کی لاش ہی تیرتی ہوئی ملی ہے ”

پروفیسر زرتاش کہنے لگا۔

نیک دل ماں کی غم زدہ روح! میں تم سے وعدہ تو نہیں کرتا لیکن اتنا ضرور یقین دلاتا ہوں کہ میں تمہارے بچے کو تلاش کرنے کی پوری کوشش کروں گا تاکہ تمہاری بھٹکتی ہوئی روح کو چین مل سکے اور تم ایک بار پھر سکون کے ساتھ جنت میں داخل ہو سکو ”

کفن پوش روح کی آنکھوں میں سے وہی نیلی روشنی ایک بار پھر نقل کر کمرے میں پھیل گئی۔ اُس نے جذبات بھری آواز میں کہا۔

” پروفیسر زرتاش! تم نے یہ کہکر ایک دکھی ماں کی پریشان روح میں پھر سے زندگی پھونک دی ہے۔ میں اگلے جہان میں جا کر خدا سے تمہاری بخشش کی دعا کروں گی۔ ”

زرتاش نے پوچھا۔

” کیا مجھے تمہارے بیٹے خالد کی کوئی تصویر کہیں سے مل سکتی ہے؟

کفن پوش روح نے کہا۔

” تمہارے علاقے کے قبرستان میں ایک پکی قبر پر شکیلہ اختر کے نام کا کتبہ لگا ہے یہ میری قبر ہے۔ کل رات بارہ بجے تم میری قبر میں آؤ گے تو وہاں تم کو ایک لفافہ ملے گا۔ اس میں میرے بیٹے خالد کی تصویر ہوگی۔ اب میں جاتی ہوں۔ میں اس سے زیادہ دیر یہاں

نہیں ٹھہر سکتی ۔"

اتنے میں ڈرائینگ روم کا دروازہ کھلا اور ٹیڈی نے داخل ہوتے ہی کہا۔

"دھڑن تختہ! آپ ابھی تک جاگ ....."

یہ جملہ اس کے منہ میں ادھورا ہی رہ گیا کہ اس کی نظر صوفے کے پاس کھڑی کفن پوش روح پر پڑ گئی ۔ وہ بوکھلا کر بولا ۔

"بھ ... بھ ... بھوت ۔"

اور چیخ مار کر دھڑام سے گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا۔ کفن پوش روح فوراً کھڑکی کی طرف مڑی ۔ وہی گھنگھروؤں کی چھنکار، چوڑیوں کی چھنکار اور ہُو ہُو کی آوازیں بلند ہوئیں اور کفن پوش روح کھڑکی میں سے باہر باغ کے اندھیرے میں غائب ہو گئی

پروفیسر زرتاش نے فوراً ٹیڈی کو جیب سے ایک دوائی نکال کر سنگھائی ۔ وہ ایک دم ہوش میں آکر اچھلا اور بھ ... بھ ... بھوت کہکر اٹھ بیٹھا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف تکنے لگا۔ اس کا رنگ خوف کے مارے سفید ہو گیا تھا ۔

"وہ ... وہ ..."

"ہاں ... وہ ایک بدقسمت ماں کی روح تھی۔ مگر وہ تمہیں کچھ نہ کہتی۔ وہ تو ایک دکھی ماں کی روح تھی ۔"

زرتاش نے کہا۔ ٹیڈی نے ہاتھ جوڑ کر کہا

"خدا کے لیے کھڑکی بند کر دیں۔ وہ بدروح تھی۔ اس نے گھر دیکھ لیا ہے۔ وہ میرا دھڑن تختہ کر دے گی۔ وہ میرا الاچی ڈوڈا بنا کر کھا جائے گی۔ اُف! اُف! میں یہاں نہیں رہ سکتا۔"

پروفیسر زرتاش نے ٹیڈی کو ساری کہانی سنائی اور اسے بتایا کہ اس روح کا نام شکیلہ اختر ہے۔ وہ ایک دکھی ماں کی بھٹکتی ہوئی روح ہے جو اپنے لاپتہ بیٹے خالد کے غم میں در بدر بھٹک رہی ہے اور جب تک اسے اس کا بچہ نہیں مل جاتا۔ وہ اسے ایک نظر دیکھ نہیں لیتی واپس جنت میں نہیں جا سکتی۔

"میں نے اس سے وعدہ کر لیا ہے کہ میں اس کے بیٹے کو تلاش کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔"

ٹیڈی بولا۔

"یہ آپ نے کیا ظلم کر دیا۔ یہ بدروح آپ کو زندہ نہیں چھوڑے گی۔ وہ ہماری یخنی نکال کر پی جائے گی۔ وہ آپ کے ساتھ میرا بھی دھڑن تختہ کر دے گی۔ میرا بولو رام ہو جائے گا۔"

زرتاش نے کہا

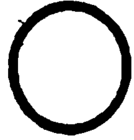
"اب تم آرام سے جا کر سو جاؤ۔ میں نے تو اس روح کی مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

ٹیڈی منہ پر ہاتھ پھیر کر کہنے لگا۔

"بڑی چار سو بیس روح لگتی ہے مجھے یہ... آپ اس کے جھانسے

میں آ گئے ہیں ایک دن پچھتائیں گے ۔"

پروفیسر زرتاش نے کھڑکی بند کر کے ٹیبل لیمپ بجھا دیا۔ کمرے میں اندھیرا ہو گیا تو ٹیڈی ڈر کر چیخیں مارتا اپنے کمرے کیطرف بھاگ گیا۔



دوسرے روز رات کو پروفیسر زرتاش قبرستان جانے لگا تو اسنے ٹیڈی کو بھی ساتھ چلنے کے لیے کہا۔ وہ کانوں پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"آپ کو تو کسی مُردے نے کاٹ کھایا ہے جو آدھی رات کو اس چار سو بیس روح کے پیچھے لگ کر قبرستان جا رہے ہیں۔ میں کوئی لالچی ڈوڈا نہیں ہوں کہ اُلو بن جاؤں ۔"

پروفیسر زرتاش نے کہا ۔

"ٹیڈی کے بچے تمہیں شرم آنی چاہیے ۔ وہ ایک دکھی ماں کی روح ہے ۔"

ٹیڈی بولا ۔

"تو میں کیا کروں سر؟ میں نے دکھی ماؤں کی روحوں کا یتیم خانہ نہیں کھول رکھا ۔"

زرتاش نے گھڑی دیکھی۔ ابھی رات کے بارہ بجنے میں پندرہ منٹ باقی تھے ۔اُس نے کہا ۔

"ٹیڈی! میں تو یہی کہوں گا کہ تم ڈر رہے ہو ۔"

"میں ڈر رہا ہوں؟ ہونہہ! وہ کوئی میاں پو تر دہر ڈجنگ کی نانی ہے کہ میں اس سے ڈروں؟"

زرتاش ہنستا رہا اور کافی کے ہلکے ہلکے گھونٹ لیتا رہا۔ اس کا اسسٹنٹ ٹیڈی اسے بار بار یہی کہتا کہ وہ روح کوئی فراڈ عورت ہے آپ کو قبرستان بلا کر لوٹ لے گی آپ نہ جائیں مگر زرتاش یہی جواب دیتا کہ وہ ایک دکھی روح ہے۔ اس کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔

ٹھیک بارہ بجے پروفیسر زرتاش قبرستان میں داخل ہو گیا اس نے اپنی طرف سے ہر قسم کی تفتیش کر لی تھی۔ جس کھڑکی میں سے نکل کر شکیلہ کی روح واپس گئی تھی اس کھڑکی کے نیچے زمین پر پاؤں کے نشان نہیں تھے۔ اور صرف روح کے قدموں کے نشان نہیں ہوتے۔

قبرستان میں قبروں کے درمیان سے گذرتے ہوئے زرتاش نے ٹارچ روشن کر دی اور ہر ایک قبر پر روشنی ڈال کر ان کے سرہانے لگے ہوئے کتبے پڑھنے لگا۔ ایک قبر کے کتبے پر لکھا تھا۔

"شکیلہ اختر۔ جو اپنے گیارہ سالہ بیٹے خالد کے گم ہو جانے کے صدمے کی وجہ سے لاہور میں آ کر انتقال کر گئی۔"

اس قبر پر ایک سفید رنگ کا لفافہ پڑا تھا۔ زرتاش نے جلدی سے لفافہ اٹھا کر کھولا۔ اس میں ایک خط اور ایک پاسپورٹ سائز کی تصویر تھی۔ تصویر ایک دس گیارہ سالہ لڑکے کی تھی جس کے نیچے خالد لکھا تھا۔ پروفیسر زرتاش نے یہ سوچ کر خط جیب میں رکھ لیا کہ وہ فلیٹ میں جا کر

آرام سے خط پڑھے گا اور تصویر کو دیکھے گا کہ اسے وہی گھنگھروؤں کی چھنکار کی آواز آئی۔ پھر چوڑیوں کی چھنکار بلند ہوئی۔ زرتاش وہیں رُک گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ خالد کی ماں کی روح آگئی ہے۔

قبرستان میں ٹھٹھرتی رات کا گہرا سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ پھر وہی کسی عورت کی آہستہ آہستہ ہُو... ہُو... ہُو کی آواز آئی۔ زرتاش نے قبر کے سرہانے والے درخت کے پیچھے اندھیرے میں ٹارچ کی روشنی پھینکی تو اسے وہاں کفن پوش روح کا ہیولہ نظر آیا۔ روح نے آہستہ سے کہا۔

"ٹارچ بجھادو۔ اس لفافے میں میرے بیٹے کی تصویر ہے۔ یہ تصویر میں نے اپنی ایک دوست روح کی مدد سے اپنے گھر سے منگوائی ہے۔ اگر تم میرے لاپتہ لختِ جگر کی جلدی تفتیش شروع کر دو تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔"

زرتاش نے کہا۔

"میرے کالج میں لڑکوں کے امتحان ہیں۔ پرسوں آخری پرچہ ہے۔ اس کے بعد میں کراچی روانہ ہو جاؤں گا اور تمہارے بیٹے خالد کی تلاش کی مہم شروع کر دوں گا۔ تم نے مجھے اپنے گھر کا ایڈریس نہیں بتایا؟"

کفن پوش روح نے کہا۔

"میرے کراچی والے گھر میں اب میری ایک سہیلی اپنے بچوں کے ساتھ رہتی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ میں مر چکی ہوں۔ اس خط میں میرے گھر کا پتہ لکھا ہوا ہے۔ جب کبھی تم لاہور آکر مجھ سے ملاقات کرنا چاہو تو رات کے بارہ بجے اسی قبر پر آکر اس کے سرہانے اپنا کارڈ رکھ دینا۔

میں دوسرے دن رات کو ملنے آجاؤں گی۔ اب میں جاتی ہوں مجھے سردی لگ رہی ہے... ہُو... ہُو... ہُو...“

کفن پوش روح کی آنکھوں میں پھر وہی نیلی روشنی چمکنے لگی اور وہ پیچھے ہٹتی ہٹتی، گھنگھروؤں کی آواز چوڑیوں کی چھنکار کے ساتھ قبروں کے اندھیرے میں غائب ہوگئی۔ پروفیسر زرتاش نے ایک بار پھر قبر پر لگے ہوئے کتبے پر شکیلہ اختر کا نام پڑھا اور قبروں کے درمیان چلتا ہوا قبرستان سے باہر نکل آیا اور پھر اپنے فلیٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔

جہاز کا بھوت

ٹیڈی نے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولا۔ اور بولا۔

"ملاقات کر آئے اس گھنگھروؤں والی بدروح سے؟"

زرتاش نے ٹھنڈی فضا سے کمرے کی گرم فضا میں آتے ہوئے کہا۔

"وہ بدروح نہیں ہے ٹیڈی۔ یہ دیکھو اس نے مجھے یہ خط اور اپنے بیٹے کی تصویر دی ہے۔"

ٹیڈی دروازہ بند کرتے ہوئے بولا۔

"یہ روح صاحبہ تصویر کہاں سے لے آئی؟"

زرتاش بولا۔

"یہ تصویر اس نے اپنی ایک دوست روح کی والے گھر سے منگوائی ہے۔ کیونکہ شکیلہ کی روح خود قبر سے آدھے میل کے علاقے سے باہر نہیں جا سکتی۔"

"ویری گڈ سر! یہ روح مجھے کوئی میاں پوترو عرف چوں چوں کی بیٹی اور چار سو بیس حسینہ لگ رہی ہے۔"

زرتاش لفافے میں سے خالد کی تصویر نکال کر ٹیبل لیمپ کی روشنی میں دیکھ رہا تھا۔ اس تصویر کے پیچھے کفن پوش روح کے کراچی والے گھر کا ایڈریس لکھا ہوا تھا۔ اس نے ٹیڈی سے کہا۔

”ٹیڈی! اصل بات یہ ہے کہ تم اس روح سے ڈرتے ہو اور کوئی بات نہیں ہے۔“

ٹیڈی جھنجھلا کر بولا۔

”میں کیوں ڈرنے لگا۔ میں کوئی گلیکسو بے بی ہوں۔ میں کوئی یمی یمی آئس کریم والا بے بی ہوں۔ میں تو جیمز جنگ ہرڑ پو پو ہوں۔ خدا اس بدروح سے بچائے۔ دھڑن تختہ... دھڑن تختہ۔“

اور ٹیڈی اپنے کمرے میں چلا گیا۔

پروفیسر زرتاش نے دیکھا کہ ایک دس گیارہ سالہ معصوم سی شکل والا
ر ہا تھ میں کتابیں لیے بیٹھا تھا۔ اس کا چہرہ لمبوترہ اور آنکھیں
سیا ... کے پاس ہی ایک گول چہرے والی عورت بیٹھی تھی جس کی
عمر پینتیس ... یب تھی۔ اس کی آنکھیں بھی سیاہ چمکیلی تھیں اور ماتھے
پر ا ... ئی لٹ پڑی تھی۔ نیچے لکھا تھا۔ شکیلہ اختر اپنے پیارے
... نو گویا یہ خالد کی ماں اور اس کفن پوش روح کی
سی ... بیٹا

فیسر زرتاش نے تصویر کے پیچھے کراچی کے کوارٹر والا ایڈریس پڑھا پھر اسے اپنی نوٹ بک میں لکھ کر تصویر بھی نوٹ بک میں رکھ لی۔

اور بستر پر لحاف اوڑھ کر لیٹ گیا اور اپنی اس نئی اور پُر اسرار قسم کی مہم کے بارے میں سوچنے لگا۔

اگلے تین دن وہ امتحانوں کے سلسلے میں بہت مصروف رہا۔ پانچویں دن اس نے کراچی کے لیے ہوائی جہاز میں دو سیٹیں بک کروالیں۔ وہ ٹیڈی کو اپنی سراغرسانی کی اس انوکھی مہم میں ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ اگرچہ ٹیڈی ساتھ نہیں جانا چاہتا تھا کیونکہ اس کے نزدیک یہ بدروحوں اور جن بھوتوں کا کیس تھا اور وہ ان سے بہت خوف کھاتا تھا لیکن وہ اپنے استاد اور لیڈر زرتاش پر یہ ظاہر بھی نہیں کرنا چاہتا ہے کہ وہ اندر سے ڈر رہا ہے۔ چنانچہ وہ زرتاش کے ساتھ کراچی جانے کے لیے تیار ہو گیا۔

اس کیس کے بارے میں پروفیسر زرتاش نے انسپکٹر فرید اور آئی جی خفیہ پولیس مہابت خان کو کچھ نہیں بتایا تھا اس لیے کہ یہ ایک دکھی ماں کی روح کا معاملہ تھا۔ ہو سکتا تھا کہ انسپکٹر فرید اور آئی جی پولیس کو یقین نہ آتا کہ زرتاش کو خالد کی ماں کی روح ملنے آئی تھی۔ خدا جانے کفن پوش روح انسپکٹر فرید وغیرہ سے ملنا پسند نہ کرتی چنانچہ اُس نے کالج سے کچھ عرصہ کے لیے چھٹی لے لی اور انسپکٹر فرید سے کہا کہ وہ کام کرتے کرتے تھک گیا ہے اور کراچی سمندر کے کنارے کسی خاموش پُر سکون جگہ پر جا کر کچھ وقت گذارنا چاہتا ہوں۔ انسپکٹر فرید نے کہا کہ وہ کبھی کبھی اسے کراچی سے فون کر کے اپنی خیریت کی

اطلاع دے دیا کرے۔

کراچی میں پروفیسر زرتاش نے شہر سے باہر سمندر کے کنارے ایک چھوٹی سی کوٹھی کرائے پر لے لی اور اس میں ضرورت کی ساری چیزیں لاکر رکھ دیں اور اپنے اسسٹنٹ ٹیڈی کو اس کا انچارج بنا دیا۔ پروفیسر زرتاش رات کو آرام کرنے کے بعد دوسرے روز شہر کے پولیس ہیڈ کوارٹر جانے کی بجائے سب سے پہلے وہ کفن پوش روح شکیلہ اختر کے مکان پر پہنچ گیا۔ اس مکان میں کفن پوش روح شکیلہ کی ایک سہیلی رہتی تھی۔ اس نے پروفیسر زرتاش کو بتایا۔

"میری سہیلی شکیلہ اسی مکان میں رہتی تھی۔ آج سے تین مہینے پہلے اس کا دس گیارہ سالہ لڑکا خالد جو ساتویں جماعت میں پڑھتا تھا گم ہو گیا۔ اسے ہر جگہ تلاش کیا گیا۔ مگر اس کا کچھ پتہ نہ چلا۔ اسی غم میں اس کی ماں گھلنے لگی۔ پھر وہ لاہور چلی گئی اور وہاں وہ فوت ہو گئی۔ جاتے ہوئے یہ مکان وہ مجھے دے گئی تھی۔"

پروفیسر زرتاش کو کفن پوش روح نے اپنے بیٹے خالد کی جو تصویر قبرستان میں دی تھی اس کے بارے میں اس نے کہا تھا کہ یہ تصویر میں نے اپنی ایک سہیلی کی روح کی مدد سے اپنے کراچی والے گھر سے منگوائی ہے۔ اب وہ یہ پتہ کرنا چاہتا تھا کہ کیا سچ مچ خالد کی تصویر اس مکان سے غائب ہو گئی ہے؟

اس نے خالد کی تصویر کا ذکر کرتے ہوئے پوچھا۔

"کیا یہاں سے مجھے خالد کی تصویر مل سکتی ہے ؟"

سہیلی نے کچھ حیران سی ہو کر کہا ۔

"عجیب بات ہے۔ ابھی دو تین دن پہلے تک یہاں میز پر خالد کی تصویر لگی ہوئی تھی جس میں وہ اپنی ماں کے ساتھ بیٹھا تھا مگر یہ تصویر خدا جانے کیسے اچانک غائب ہو گئی ۔ فریم وہ سامنے خالی پڑا ہے ۔"

زرتاش نے دیکھا کہ میز پر ایک تصویر کا فریم خالی پڑا تھا ۔ اب اسے یقین ہو گیا کہ کفن پوش روح نے ہی وہ تصویر اس مکان سے اپنی سہیلی کی رُوح کی مدد سے اُڑا لی تھی ۔ خالد کے بارے میں کچھ ضروری باتیں معلوم کرنے کے بعد پروفیسر زرتاش نے ٹیکسی پکڑی اور سیدھا سٹی پولیس ہیڈ کوارٹر میں آ گیا ۔ یہاں اسے سبھی جانتے تھے ۔ وہ انٹیلی جینس ڈیپارٹمنٹ کے انسپکٹر سلطان سے ملا اور خالد کیس کی فائل نکلوا کر اس کا مطالعہ کیا ۔

پھر انسپکٹر سلطان سے خالد کی گمشدگی کے بارے میں باتیں کرنے لگا ۔ انسپکٹر سلطان کے ماتھے پر گہری تشویش کی لکیریں اُبھر آتی تھیں ۔ اُس نے کہا ۔

"پروفیسر زرتاش ! یہ کیس ہمارے لیے چیلنج اور ایک معمّہ بن کر رہ گیا ہے ۔ ہم دو مہینے سے اس لڑکے خالد کی تلاش میں ہیں ۔ اور ہمیں جو واقعات معلوم ہوتے ہیں وہ سنسنی خیز بھی ہیں اور عقل گم کر دینے

والے بھی۔ میں اس قسم کی باتوں پر یقین نہیں رکھتا لیکن میں نے کچھ چیزیں اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں کہ جن پر میں آج بھی حیران ہوں۔"

"مثلاً وہ کیا چیزیں ہیں؟ زرتاش نے پوچھا۔

انسپکٹر سلطان کہنے لگا۔

"پولیس اس کیس کو داخل دفتر کر چکی ہے۔ صرف اوپر سے لوگوں کو دکھانے اور فائیل کا پیٹ بھرنے کے لیے رسمی کارروائی کر رہی ہے۔ لیکن ہم خفیہ محکمہ کے لوگ ہیں ہم کیس کے پیچھے لگے رہتے ہیں۔ پھر بھی اس کیس نے ہمیں بھی پریشان کر رکھا ہے اور لگتا ہے کہ ہم اس معمّے کو کبھی حل نہ کر سکیں گے۔"

زرتاش نے کہا۔

"انسپکٹر! تم کچھ سنسنی خیز باتیں بیان کرنے والے تھے۔ تم نے کیا دیکھا ہے؟"

انسپکٹر سلطان ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گیا۔ پھر گہرا سانس لے کر بولا۔

"ہمیں مخبروں نے خبر دی کہ ساحل سے کافی دُور سمندر میں جہاں بڑی خطرناک چٹانیں ہیں اور آدم خور شارک مچھلیاں ہیں وہاں ایک پُراسرار جزیرہ سا ہے جہاں سمگلروں اور بردہ فروشوں یعنی لڑکوں کو اغوا کر کے آگے عرب ریاستوں میں فروخت کرنے والے لوگوں کے ایک گروہ نے اپنا خفیہ ٹھکانا بنا رکھا ہے۔ پولیس وہاں چھاپہ مارنے گئی

تو سپاہیوں نے ایک ایسی بات دیکھی کہ جس کو دیکھ کر چار سپاہی تو وہیں بے ہوش ہو گئے۔ باقی کسی نہ کسی طرح اپنی موٹر بوٹ لیکر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ انہیں گھر آ کر تیز بخار ہو گیا۔"

"انہوں نے وہاں کیا دیکھا؟" زرتاش نے پوچھا۔

انسپکٹر سلطان نے کہا۔

"سپاہیوں کا بیان ہے کہ سب سے پہلے انہوں نے سمندر میں ایک سمندری جہاز کو جزیرے کی بائیں جانب سے نکل کر اپنی طرف آتے دیکھا۔ یہ جہاز پرانی قسم کا جہاز تھا اور اس کے بادبان ہوا میں پھولے ہوئے تھے۔ اس طرح کے جہاز آج سے سو برس پہلے بحری ڈاکوؤں کے پاس ہوا کرتے تھے۔"

"اس جہاز میں ایسی خوفناک بات کونسی تھی؟" زرتاش نے سوال کیا۔

انسپکٹر سلطان نے کہا۔

"ابھی بتاتا ہوں پروفیسر! ہمارے سپاہی جہاز کو اپنی طرف آتا دیکھتے رہے۔ اس وقت دن کی روشنی چاروں طرف سمندر میں پھیلی ہوئی تھی۔ سمندر میں پرانے بادبانی، جو بھی جہاز چلتے ہیں ان کے پیندے کئی فٹ تک سمندر میں ڈوبے ہوتے ہیں۔ مگر وحشت ناک بات یہ تھی کہ اس جہاز کا پیندا سمندر میں ڈوبا ہوا نہیں تھا۔"

"کیا مطلب ہے۔ یعنی جہاز سمندر کی سطح سے بلند ہو کر ہوا میں

چل رہا تھا؟" زرتاش نے پوچھا۔

"نہیں،" انسپکٹر سلطان بولا" جب یہ پُراسرار بادبانی جہاز سپاہیوں کی موٹر بوٹ کے قریب آیا تو دہشت کے مارے اِن کے ہاتھوں سے رائفلیں گر پڑیں۔ انھوں نے دیکھا کہ سارے کا سارا بادبانی جہاز ایک بہت بڑے انسانی سر نے اپنی کھوپڑی پر اُٹھا رکھا تھا۔ یہ بہت بڑا انسانی سر منہ تک سمندر میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کا ناک، آنکھیں اور سر پانی سے باہر تھا اور وہ جہاز کو سر پر اُٹھائے سمندر میں سپاہیوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس عفریت نما انسان کی بڑے بڑے غاروں ایسی آنکھوں سے سُرخ روشنی نکل رہی تھی۔ ابھی سپاہی اِس حیرت انگیز منظر سے خوفزدہ تھے کہ انھوں نے بڑے بڑے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ کی آواز سُنی کیا دیکھتے ہیں کہ آسمان پر ایک بہت بڑا انسان اُڑا چلا آرہا ہے۔ اِس کے شانوں پر بڑے بڑے پَر لگے ہیں جو پھڑ پھڑا رہے ہیں۔ اس اُڑنے والے عفریت انسان کی آنکھوں سے بھی سُرخ روشنی پھوٹ رہی تھی اور اس کے حلق سے زخمی شیر کی دھاڑ ایسی آوازیں نکل رہی تھیں۔ اس کے بعد چار سپاہی تو وہیں بے ہوش ہو کر موٹر کشتی میں گر پڑے اور باقی سپاہی تھر تھر کانپنے لگے وہ بڑی مشکل سے موٹر کشتی بھگا کر واپس پہنچے۔"

زرتاش بڑے غور سے انسپکٹر سلطان کی یہ الف لیلے کی کہانی سُن رہا تھا۔ اس نے کہا۔

"کیا کراچی پولیس نے دوسری بار زیادہ طاقت سے حملہ کرکے معلوم

کرنے کی کوشش نہیں کی کہ یہ بادبانی جہاز اور اُڑنے والا انسان کون تھا؟"

انسپکٹر سلطان کہنے لگا۔

"سپاہی اسقدر خوف زدہ تھے کہ کوئی ادھر جانے کے لیے تیار نہیں تھا۔ کسٹم کے لوگ بھی ڈر رہے تھے۔ بس وہ لوگوں پر ظاہر کرنے کے لیے دُور سے سمندر کا ایک چکر لگا کر جلدی جلدی واپس آجاتے تھے۔ کسی کو کیا پڑی تھی کہ ایک غریب بیوہ عورت کے لڑکے کے لیے اپنی جان خطرے میں ڈالے۔ اسی دوران ایک سپاہی بہادری سے کام لیتے ہوئے انسانی سر پر اٹھائے ہوئے سمندری جہاز کے قریب پہنچ گیا کہ اصل حقیقت معلوم کرے۔ اس نے بڑی جرأت سے کام لیا تھا۔ لیکن جونہی وہ بہت بڑے انسانی سر کے قریب پہنچا۔

انسانی سر کی ایک آنکھ کے سُرخ سوراخ میں سے ایک شعلہ لپک کر اس کی طرف بڑھا اور اسے وہیں بھسم کر دیا۔

انسانی سر والا بادبانی جہاز سمندری چٹانوں کے پیچھے غائب ہو گیا۔ دوسری مرتبہ ایک اور سپاہی کو جوش آیا تو اس نے موٹر کشتی لی اور جزیرے کی چٹانوں کے پاس پہنچ گیا۔ اچانک آسمان پر اُڑنے والا عفریت انسان بڑے بڑے پَر پھڑ پھڑاتے نمودار ہوا۔ اس کے حلق سے ایک بھیانک چیخ نکلی اور منہ کے اندر سے سُرخ شعلہ سپاہی کی طرف لپکا۔ اس شعلے نے سپاہی کے سارے جسم کو آگ کے شعلوں کی

لپیٹ میں لے لیا۔ یہ آگ اس قسم کی تھی کہ سمندر کے پانی میں بھی اس کے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ سپاہی جل کر بھسم ہو گیا۔ اس کے بعد کسی کو اس آسیبی چٹانوں کی طرف جانے کی ہمت نہ ہوئی۔

چنانچہ ہم نے بھی کیس داخل دفتر کر دیا۔ پروفیسر! آپ ہی بتائیں ایک بیوہ کے غریب بچے کی خاطر کون اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہو گا۔ میں حیران ہوں کہ آپ نے اس کیس کی تفتیش اپنے ہاتھ میں کیوں لے لی ہے۔ سر! اس کیس میں بڑا خطرہ ہے اور حاصل کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ ایکبار پھر ٹھنڈے دل سے غور کر لیں۔"

پروفیسر زرتاش نے کہا۔

"انسپکٹر! میں ایک سراغرساں ہوں میں اپنے پیشے سے بددیانتی نہیں کر سکتا۔ سراغرساں کا فرض جرم کو بے نقاب کر کے اصل مجرموں کو قانون کے حوالے کرنا ہے۔ یہ ایک بیوہ ماں کے بچے کا معاملہ ہے جو لاپتہ ہو چکا ہے۔ اور میں اسے تلاش کر کے مجرموں کو گرفتار کر کے رہوں گا۔"

انسپکٹر سلطان نے کہا۔

"مگر پروفیسر! لڑکے کی بیوہ ماں تو تین مہینے ہوئے فوت ہو چکی ہے۔"

زرتاش نے جوش میں آکر کہا۔

"اوہ ... اس کی روح ..."

پھر وہ اچانک چپ ہو گیا۔ وہ کفن پوش روح کا راز کسی پر ظاہر نہیں

کرنا چاہتا تھا۔ اس نے فوراً بات بدل کر کہا

"میں ایک دکھی ماں کی روح کو سکون پہنچانا چاہتا ہوں جب تک اس کا بیٹا نہیں ملے گا بیوہ ماں کی روح جنت میں بے چین رہے گی۔"

انسپکٹر سلطان بولا۔

"پروفیسر زرتاش! آپ کا ارادہ بڑا نیک ہے آپ کا دل انسانی ہمدردی سے بھرا ہوا ہے۔ مگر پھر بھی میں آپ سے کہوں گا کہ آپ اس کیس کو ہاتھ میں نہ لیں۔ اس میں حاصل کچھ نہیں ہو گا لیکن آپ کی جان کو خطرہ ہے۔"

پروفیسر زرتاش نے کہا۔

"میں یہ کیس اپنے ہاتھ میں لے چکا ہوں اور دل میں یہ عزم لیکر لاہور سے یہاں آیا ہوں کہ خالد کو برآمد کر کے رہوں گا۔"

انسپکٹر سلطان نے کیس کی فائیل کھولتے ہوئے کہا۔

"اس صورت میں ہم آپ کی ہر ممکن مدد کریں گے آپ کو جیسی بھی معلومات کی ضرورت ہو ہم آپ کو مہیا کریں گے۔"

زرتاش نے فائیل میں سے کچھ اور ضروری باتیں نوٹ کیں۔ انسپکٹر سلطان سے کچھ دوسری ضروری معلومات حاصل

کیس اور شکریہ ادا کر کے واپس اُٹھ آیا۔ سمندر کنارے والے اپنے فلیٹ پر آیا تو ٹیڈی گوشت بھون رہا تھا۔ پروفیسر زرتاش نے اسے انسپکٹر سلطان سے کی گئی باتیں بتائیں تو وہ پریشان ہو کر کہنے لگا۔

"دھڑن تختہ! سر اس مشن کو ترک کر دیں یہ مشن ہماری بھمبیریاں بھنوا دے گا۔"

پروفیسر زرتاش صوفے پر بیٹھ گیا اور بولا۔

"میں یہ خطرناک مشن شروع کر چکا ہوں ٹیڈی۔ اب میں پیچھے نہیں ہٹوں گا۔"

ٹیڈی نے رومال سے ہاتھوں پر لگا ہوا مصالحہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"لاہور کی بدروح آپ کا دھڑن تختہ کرا کر رہے گی۔"

اور باورچی خانے میں گھس گیا کیونکہ اسے مصالحہ جلنے کی بُو آ رہی تھی۔

پروفیسر زرتاش نے اپنے ذہن میں ایک سکیم تیار کر لی تھی۔ اس سکیم کے بارے میں اس نے ٹیڈی کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ ایک رات جب کہ سمندر پر اندھیرا پھیلا ہوا تھا اور چاند کے نکلنے میں ابھی ایک گھنٹہ باقی تھا زرتاش نے ایک بھرا ہوا ریوالور انجکشن کا سرنج اور زہریلی پھوار والا سگار پلاسٹک کے تھیلے میں

لپیٹ کر اپنی جیب میں رکھا اور اپنے مشن پر روانہ ہو گیا...
اس نے جاتے ہوئے ٹیڈی کو بتا دیا کہ وہ آسیبی جزیرے
کی طرف جا رہا ہے۔ ٹیڈی سہم گیا بولا۔

"باس! آپ خوش کڈی... میرا مطلب ہے خودکشی کرنے
جا رہے ہیں۔ ابھی وقت ہے۔ واپس آ جائیں۔"

زرتاش نے کہا۔

"پیچھے خیال رکھنا۔ لاہور سے انسپکٹر فریدہ کا ٹیلی فون
آئے تو انہیں بتا دینا کہ میں اپنے مشن پر لگا ہوا ہوں۔
اوکے!"

"اوکے باس!"

زرتاش کی ٹیکسی چلی گئی تو اسسٹنٹ ٹیڈی نے ماتھے پر
ہاتھ مار کر کہا۔

"دھڑن تختہ ہو گیا تمہارا پروفیسر!"

پروفیسر زرتاش وہاں سے سیدھا انسپکٹر سلطان کے پاس
پولیس ہیڈ کوارٹر گیا۔ اس وقت رات کے گیارہ بج رہے تھے۔
کراچی کا شہر روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ انسپکٹر سلطان دفتر
میں خاص طور پر زرتاش کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے معلوم تھا
کہ سراغرساں پروفیسر زرتاش آج رات اپنے خطرناک مشن پر
جا رہا ہے اور بالکل اکیلا جا رہا ہے۔ زرتاش نے دفتر میں پہنچ

کہ انسپکٹر سلطان سے پوچھا کہ سب کچھ ٹھیک ہے ؟

" بالکل ٹھیک ہے ۔ واٹر سوٹ کی کٹ یہ رکھی ہے "

پروفیسر زرتاش نے واٹر سوٹ کی کٹ اٹھالی اور کہا ۔

" باہر ٹیکسی کھڑی ہے ۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے ۔ میں ایک بار پھر گذارش کروں گا کہ میرے پیچھے پولیس کو روانہ نہ کیا جائے ۔ میں سب کچھ خود ہی سنبھال لوں گا ۔"

انسپکٹر سلطان نے کہا ۔

" مگر ہمیں آپ کی جان بھی بہت عزیز ہے ۔ آپ ہمارے محکمے کے ایک لائق سراغ رساں ہیں ۔"

زرتاش مسکرایا اور بولا ۔

" شکریہ ! "

یہ کہکر وہ انسپکٹر سلطان سے ہاتھ ملاکر باہر نکل گیا ٹیکسی میں بیٹھا اور سمندر کے ساحل کی طرف چل پڑا ۔ یہ وہ علاقہ تھا جہاں سے انسانی سر والے جہاز کے جزیرے کی طرف سمندری راستہ جاتا تھا ۔ جہاں ایک خفیہ جگہ پر زرتاش کے لیے ایک موٹر کشتی چھپا کر رکھ دی گئی تھی ۔ زرتاش نے ٹیکسی چھوڑ دی اور سمندر کے کنارے کچھ دور تک پیدل چلتا گیا ۔ جب اس نے دیکھا کہ ٹیکسی دور نکل گئی ہے تو وہ ٹیلے کی اوٹ میں آگیا ۔ یہاں ایک چھوٹی سی کشتی پانی میں کھڑی تھی ۔ زرتاش نے اس میں واٹر سوٹ کی

کٹ رکھی۔ انجن سٹارٹ کیا اور کھلے سمندر کی طرف روانہ ہو گیا۔ آدھے گھنٹے تک سمندر میں رات کے اندھیرے میں کشتی چلانے کے بعد اُسے دور آسیبی جزیرے کی سیاہ چٹانیں ابھری ہوئی نظر آئیں۔ اُس نے کشتی کا انجن بند کر دیا اور اسے چپّو کی مدد سے جزیرے کی طرف لے جانے لگا۔ جزیرے سے کوئی ایک میل دور اُس نے کشتی ایک سمندر سے نکلی ہوئی ستون ایسی چٹان کے ساتھ باندھ دی۔

اپنے کپڑے اُتار کر کشتی میں رکھے۔ کٹ کھول کر سمندر کے نیچے پہنچ کر اندر ہی اندر سفر کرنے والا واٹر سوٹ پہنا۔ یہ ربڑ کا سوٹ تھا اور زرتاش کے جسم کے ساتھ چپک گیا تھا۔ منہ پر آکسیجن ماسک لگایا اور کشتی میں سے رات کی تاریکی میں سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ اس نے چھلانگ لگانے سے پہلے اپنا رُخ مقرر کر لیا تھا۔ وہ سمندر کے اندر ہی اندر جزیرے کی طرف بڑھنے لگا۔ واٹر سوٹ کی وجہ سے اسے تیرنے میں اور سانس لینے میں کوئی تکلیف محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

جب وہ سمندر کے نیچے کافی دُور تک تیرتا ہوا چلا گیا تو اس نے پانی کی سطح پر سے سر نکال کر باہر دیکھا۔ وہ جزیرے کی چٹانوں کے پاس پہنچ چکا تھا۔ یہاں سمندر کا پانی اتنا گہرا نہیں تھا۔ چھوٹی چھوٹی مچھلیاں اس کے جسم سے ٹکراتی ہوئی گذر رہی تھیں۔ زرتاش پانی سے

باہر آ گیا۔ وہ لمبے لمبے قدم اٹھاتا ایک چٹان کے پیچھے آ کر چھپ گیا اور سر باہر نکال کر دیکھنے لگا۔

یہ ایک بنجر زمین والا جزیرہ تھا جہاں کوئی درخت نظر نہیں آتا تھا۔ چاروں طرف گہرا اندھیرا اور سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ہلکی ہوا چل رہی تھی جس کی وجہ سے سمندر کی لہریں دور دور سے آ کر چٹانوں سے ٹکرا کر واپس چلی جاتی تھیں۔ زہریلی پھوار والا سگار اور ریوالور زرتاش کے واٹر سوٹ کے ساتھ پلاسٹک کی تھیلی میں لٹک رہا تھا۔ اس نے تھیلی میں سے ریوالور نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ پاؤں کے لمبے ربڑ کے جوتے اتار کر وہیں رکھ دیئے۔ اس کے نیچے اس نے اپنے فلیٹ شوز پہن رکھے تھے۔ آکسیجن ماسک بھی وہیں چھپا کر رکھ دیا۔ اب وہ گہرے سیاہ رنگ کے واٹر سوٹ میں تھا اور رات کی تاریکی میں سائے کی طرح نظر آ رہا تھا۔

وہ اونچے نیچے نوکیلے پتھروں کے پیچھے سے ہوتا ہوا جزیرے کے دوسرے کنارے کی طرف جا رہا تھا کہ اچانک اسے سمندر کیطرف سے ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی انجن بڑی دھیمی آواز سے چل رہا ہو۔ پروفیسر زرتاش جلدی سے ایک پتھر کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔ اب مشرق کی طرف سمندر میں سے زرد رنگ کا گول گول چاند باہر نکل آیا جس کی زرد پھیکی روشنی کا غبار چاروں طرف بکھر گیا۔ جزیرے کی چٹانیں اور سمندر دھندلا دھندلا نظر آنے لگا۔

پھر اچانک زرتاش نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا بادبانی جہاز سمندر پر آہستہ آہستہ چلتا جزیرے کی مغربی سمت سے نکل کر سامنے آرہا ہے۔ زرتاش جلدی سے ریت پر لیٹ گیا۔ وہ آنکھیں پوری طرح کھول کر اس بہت بڑے بادبانی جہاز کو سمندر میں چلتے دیکھنے لگا۔ جب جہاز قریب سے گذرنے لگا تو زرتاش کے بدن میں خوف کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اُس نے دیکھا کہ جہاز پورے کا پورا ایک بہت بڑے انسانی سر پر رکھا ہوا تھا۔ یہ کسی دیو نما انسان کا چہرہ تھا جو بہت بڑی ناک کے نیچے ہونٹوں تک سمندر میں ڈوبا ہوا تھا اور لہریں اس چہرے سے ٹکرا کر پیچھے کو جا رہی تھیں۔ اس جہاز میں سے انجن کے چلنے کی ہلکی ہلکی آواز آرہی تھی۔ زرتاش حیران تھا کہ اگر جہاز کو ایک انسانی سر اٹھا کر سمندر میں تیر رہا ہے تو پھر یہ انجن کے چلنے کی آواز کہاں سے آرہی ہے؟

دیو پیکر انسانی چہرے کے کان بہت بڑے بڑے تھے۔ آنکھوں کی جگہ دو بڑے بڑے غار بنے ہوئے تھے جن میں سے سرخ رنگ کی روشنی باہر نکل رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ان آنکھوں کے غاروں کے اندر آگ کے تنور دہک رہے تھے۔ اب یہ جہاز زرتاش کے قریب سے گذر رہا تھا۔ زرتاش ریت پر اوندھا لیٹا اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کو جہاز کے اوپر کچھ انسانی سائے حرکت کرتے نظر آرہے تھے۔ پھر اسے کچھ انسانی آوازیں بھی سنائی دیں۔ جہاز آہستہ آہستہ

چلتا جزیرے کے شمالی ساحل کے ساتھ ساتھ گھوم گیا اور پھر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

پروفیسر زرتاش غور کرنے لگا کہ اگر یہ آسیبی جہاز ہے تو پھر اس پر انسانی سائے کہاں سے آگئے تھے۔ اور انسانی آوازیں کیوں آ رہی تھیں؟ وہ اسی سوچ میں گم تھا کہ اس کے کانوں سے کسی پرندے کے پروں کے پھڑپھڑانے کی آواز ٹکرائی۔ وہ جلدی سے اُٹھ کر پتھروں کے پیچھے ہو گیا۔ اس نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ اس نے جو کچھ دیکھا اسے دیکھ کر زرتاش کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

اس نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا انسان جس نے صرف ایک لنگوٹ پہن رکھا تھا۔ اس کا سارا جسم ننگا تھا۔ وہ بڑے بڑے پروں کو پھڑپھڑاتا ہوا میں اڑتا چلا آ رہا تھا۔ زرتاش حیرت میں گم ہو کر رہ گیا۔ اتنا بڑا انسان پہلے اس نے کبھی اڑتا ہوا نہیں دیکھا تھا۔ یہ اڑنے والا انسان زرتاش کے اوپر سے ہو کر گذر گیا۔ زرتاش اسے دیکھتا رہا۔ کچھ دور آگے جا کر یہ دیو پیکر اُڑن انسان چٹانوں کے درمیان آہستہ آہستہ اتر گیا اور پھر اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا۔ وہ کوئی حرکت نہیں کر رہا تھا۔ زرتاش نے سوچا کہ یہ کیا راز ہے؟

وہ پتھروں میں سے نکل کر جھک کر چلتا ہوا اڑنے والے انسان کی طرف آگیا۔ وہ چٹانوں کے عقب میں ہی تھا کہ دھندلی چاندنی

میں اس نے ایک جیپ کو دیکھا کہ بڑی تیز رفتاری کے ساتھ بنجر ٹیلوں میں سے نکل کر زمین پر پتھر کی طرح کھڑے اڑنے والے انسان کے پاس آکر رُک گئی۔ اڑنے والے انسان کا قد ایک اونچے لمبے اونٹ جتنا تھا۔ اور اُس کے دونوں بڑے بڑے اوپر کو اٹھے ہوئے پر ساکت تھے۔ پروفیسر زرتاش لیک کر چٹان کے پیچھے چھپ گیا۔

بھرا ہوا ریوالور اس کے ہاتھ میں تھا۔ عجیب پُر اسرار خطرہ اس کے سر پر منڈلا رہا تھا۔ شاید کوئی حیران کر دینے والا راز فاش ہونے والا تھا۔ زرتاش کا دل دھڑکنے لگا تھا۔ یعنی دھڑکتا تو پہلے بھی تھا مگر اب اسے دھڑکتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

جیپ میں سے تین ہٹے کٹے آدمی نکلے جنہوں نے چُست پتلونیں اور سروں پر ہیٹ پہن رکھے تھے۔ ان کے کاندھوں پر گولیوں والی پیٹیاں لٹک رہی تھیں اور کمر کے ساتھ پستول چاندنی میں چمک رہے تھے۔ وہ اونچے لمبے اُڑنے والے انسان کے پاس آکر کھڑے ہو گئے۔ وہ کچھ دیر آپس میں باتیں کرتے رہے ان میں سے ایک آدمی وہیں اُڑنے والے انسان کے پاس کھڑا رہا اور باقی دونوں جیپ میں بیٹھ کر واپس چلے گئے۔

وہاں گہری خاموشی چھا گئی تھی۔ چاند اب آسمان پر کچھ اور اوپر آگیا تھا اور چاندنی زیادہ صاف ہو گئی تھی۔ اس شفاف چاندنی

ہیں زرتاش نے دیکھا کہ وہ آدمی کچھ دیر اڑن انسان کے قریب ٹہلتا رہا۔ پھر بیٹھ گیا۔ اُس کی پیٹھ زرتاش کی طرف تھی۔ زرتاش کے دماغ میں ایک خاص سکیم تھی۔ وہ زمین پر اوندھے منہ لیٹ گیا اور کمانڈوز کی طرح ہاتھ میں بھرا ہوا ریوالور لیکر آگے رینگنے لگا اس کے ریوالور پر سائی لینسر لگا ہوا تھا۔ زرتاش اُس آدمی کی طرف بڑھ رہا تھا۔

جونہی زرتاش اس آدمی کے قریب پہنچا اس کا پاؤں ایک پتھر سے لگا تو آواز پیدا ہوئی۔ جزیرے کی سنسان رات میں اتنی آواز ہی بہت تھی۔ اس آدمی نے فوراً پلٹ کر پیچھے دیکھا اور ایک انسان اسے اپنی طرف رینگتا نظر آیا۔ اس نے فوراً پستول نکالا اور اس سے پہلے کہ زرتاش پر فائر کرتا زرتاش کے سائی لینسر لگے ریوالور میں سے ٹھک کی ہلکی سی آواز کے ساتھ گولی بجلی کی طرح نکلی اور اس آدمی کے سینے سے پار ہوگئی۔ وہ وہیں آگے کو لڑھک گیا۔

زرتاش اٹھ کر اس کی طرف بھاگا اور اسے غور سے دیکھا۔ وہ مرچکا تھا۔ زرتاش کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ اس نے اپنے پاس کھڑے اڑنے والے انسان کی طرف دیکھا۔ اس میں ذرا سی بھی حرکت پیدا نہیں ہوئی تھی۔ زرتاش کا خیال تھا کہ ہوسکتا ہے وہ اس پر حملہ کردے مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ زرتاش مرے ہوئے آدمی کو گھسیٹ کر چٹانوں کی طرف لے گیا اور اس نے ریت پر گھٹنے کے نشان کو

ساتھ ہی ساتھ مٹا دیا۔

زرتاش کے پاس اتنا وقت اور سہولت نہیں تھی کہ وہ مرے ہوئے آدمی کے جسم کے ذرّوں کی کیلکولیشن کرتا یا یہ پتہ کرتا کہ اس کے جسم پر سورج گرہن کا کوئی نشان تو نہیں ہے۔ یہ اس نے دیکھ لیا تھا کہ اس آدمی کی آنکھیں نیلی نہیں تھیں۔ کیونکہ سورج گرہن کے نشان اور نیلی آنکھوں والے آدمی کی وہ شکل اختیار نہیں کر سکتا تھا۔

زرتاش نے چاندنی رات میں اپنی آنکھیں اس مردہ آدمی کے چہرے پر جما دیں۔ اور واٹر سوٹ میں سے ہی اپنے بازو پر سرنج نکال کر انجکشن لگا لیا۔ اسے ایک زبردست جھٹکا لگا وہ اچھل کر وہیں گر پڑا۔ اس نے اپنی آنکھیں مردہ آدمی کے چہرے پر سے نہ ہٹائیں۔ اس کے خون میں $\frac{RP_2}{103}$ دوائی نے زبردست ردِعمل شروع کر دیا۔ دو منٹ کے اندر اندر زرتاش کے بال گھنے سیاہ گھنگھریالے ہو گئے۔ مردہ آدمی کی طرح زرتاش کے گال پہ بھی زخم کا لمبا نشان آ گیا۔ اور پھر اس کا سارا چہرہ اور جسم اس مرے ہوئے انسان کی طرح کا ہو گیا۔ اب ایک ہی شکل، ایک ہی حلیے، ایک ہی قد کاٹھ کے دو آدمی وہاں پڑے تھے ان میں سے ایک زندہ اور ایک مردہ تھا۔ زندہ پروفیسر زرتاش تھا۔

زرتاش نے جلدی جلدی اپنا واٹر سوٹ اتار کر اس آدمی کی پتلون اور جیکٹ پہن لی۔ کمر کے ساتھ اس کے پستول کو باندھا۔ اپنا

ریوالور، ڈائرسوٹ اور انجکشن کے سرنج کے ساتھ وہیں پتھروں میں گڑھا کھود کر دبا دیں۔

اس کام سے فارغ ہو کر اس نے مردہ آدمی کی قمیض پھاڑ کر اس کے جسم کے ساتھ ایک پتھر کو باندھا اور اس کی لاش کو سمندر میں دھکیل دیا۔ لاش پانی میں ڈوب گئی۔

اس کام سے فارغ ہو کر زرتاش اڑنے والے انسان کی طرف بڑھا جہاں اس کے دوسرے دو ساتھی چھوڑ گئے تھے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ زرتاش جب بھی انجکشن لگا کر کسی دوسرے انسان کی شکل اختیار کرتا تھا تو اُسے اس انسان کی یادیں نام اور دوسری اہم چیزیں بھی اپنے آپ معلوم ہو جاتی تھیں اور اپنے بارے میں بھی سب کچھ یاد رہتا تھا۔

اسے احساس ہوا کہ اس کا نام کاشو ہے اور انجینئرنگ کا بہت اچھا کام جانتا ہے اور جو دو آدمی اسے اڑنے والے انسان کے پاس چھوڑ کر گئے تھے اِن میں سے ایک کا نام ہاشم ہے جو سمگلروں اور بردہ فروشوں کے گروہ کا لیڈر ہے اور دوسرے کا نام راجو ہے جو اس کا ساتھی ہے۔ اس کے سوا تے زرتاش کو کچھ یاد نہیں آ رہا تھا۔

زہریلا سگار زرتاش نے اپنے پاس ہی پتلون کی پچھلی جیب میں چھپا کر رکھ لیا تھا۔ وہ اڑنے والے انسان کے قریب آ کر رُک گیا

اور چاندنی رات میں بڑے غور سے اسے تکنے لگا۔ پھر اس نے ہاتھ لگا کر دیکھا تو اسے محسوس ہوا کہ وہ پلاسٹک کے ٹکڑے جوڑ کر بنایا گیا ہے اور زندہ انسان نہیں ہے۔ چونکہ وہ کافی اونچا تھا۔ اس لیے نزرتاش اس کی آنکھوں کے غاروں میں جھانک کر نہ دیکھ سکا کہ اس کے اندر روشنی کہاں سے آتی ہے۔ بہرحال یہ بات اس پر ظاہر ہو چکی تھی کہ اس اڑنے والے انسانی جن کو انسانی ذہن سے تیار کیا ہے اور پلاسٹک کے ٹکڑے جوڑ جوڑ کر بنایا ہے اور اس کے جسم کے اندر ایک ایسی موٹر لگا دی گئی ہے جو جب چلتی ہے تو انسانی بت کے بڑے بڑے پروں میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور وہ اڑنے لگتا ہے۔ اس مشین میں سمت بھی مقرر کر دی گئی تھی اور یہ انسانی بت جزیرے کے اوپر ایک چکر لگا کر ضرورت کے مطابق واپس چٹانوں میں اُتر کر کھڑا ہو جاتا تھا۔ اس کی آنکھوں سے روشنی بیٹری کے ذریعے سے اور حلق سے چیخوں کی آوازیں ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے پیدا کی جاتی تھیں۔

یہ ساری باتیں اس آدمی کا شو کی شکل میں آنے کے ساتھ ہی نزرتاش کو اپنے آپ معلوم ہو گئی تھیں۔ اس کے علاوہ اسے کچھ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ یہ لوگ کون ہیں اور ان کا گروہ کہاں کہاں تک پھیلا ہوا ہے اور انہوں نے خالد کو اغوا کیا ہے تو

پھر اسے کہاں فروخت کر دیا ہے۔ یہ ساری باتیں زرتاش نے خود معلوم کرنی تھیں اور اس کی سراغ رسانی کرنی تھی خطرہ صرف یہی تھا کہ وہ کاشو سمگلر اور انجینئرنگ کے کام کے ماہر کے حلیے میں ضرور آگیا تھا مگر زرتاش کو انجینئرنگ کی الف بے بھی نہیں آتی تھی۔

ہوا میں اُڑتے انسان کا راز

زرتاش کو اپنے پیچھے جیپ کی آواز سنائی دی۔

اس نے گھوم کر دیکھا۔ چاندنی میں اسے وہی جیپ واپس آتی دکھائی دی۔ جیپ اس کے پاس آکر رُک گئی۔ اس میں سے لیڈر ہاشم اور راجو باہر نکل کر زرتاش کے پاس آئے۔ ہاشم کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا گول پُرزہ تھا جس کی شکل نٹ کی طرح کی تھی۔ اس نے آتے ہی زرتاش سے مخاطب ہو کر کہا۔

"کاشو! یہ لو اپنا پُرزہ میں غار میں رکھے تمہارے تھیلے میں سے نکال کر لایا ہوں۔ اب اسے اس اڑنے والے جن کے اندر جہاں لگانا ہے لگاؤ۔"

راجو جیپ سے ٹیک لگاتے ہوئے بولا۔

"باس! اس اڑنے والے جن میں خرابی پیدا نہیں ہونی چاہیے۔ اس کی وجہ سے ہم پولیس والوں سے بچے ہوئے ہیں۔"

زرتاش نے پُرزہ لے لیا اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔ ہاشم لیڈر

اس کے قریب آکر اس کے کاندھے پر ہاتھ مار کر بولا۔

"کاشو! تم بہت بڑے انجینئر ہو۔ ہمارے گروہ کو تم پر فخر ہے مگر جیسا کہ تم جانتے ہو کہ کل پرسوں سے یہ اڑنے والا انسان اڑتے اڑتے اچانک نیچے کو جھکنے لگ جاتا ہے۔ خطرہ ہے کہ کسی روز کریش نہ ہو جائے۔ ہم اسے ضائع نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ سے اور تمہارے بنائے ہوئے انسانی سر والے جہاز کی وجہ سے پولیس اس سارے علاقے سے خوف زدہ ہے اور وہ اسے آسیبی جزیرہ سمجھتی ہے اور ادھر کا رُخ نہیں کرتی۔ اس لیے جتنی جلدی ہو سکے اس اڑنے والے انسان کا نقص دُور کر دو۔"

زرتاش کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ پُرزہ کہاں لگائے اور انسانی مشین کو کہاں سے کھولے۔ مگر وہ اپنا راز فاش ہو جانے کا خطرہ بھی مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس نے اڑنے والے انسان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کچھ وقت لگے گا اس میں ... میں کوشش کرتا ہوں۔"

لیڈر ہاشم نے گرج کر کہا۔

"کوشش کیا ہوتی ہے کاشو؟ اسے ٹھیک کر کے پندرہ بیس منٹ کے اندر اندر اسے اڑا کر غار کے اندر اس کے گیراج میں بند کر دو میں تھوڑی دیر میں واپس آؤں گا۔"

یہ کہکر لیڈر ہاشم اور راجو جیپ میں سوار ہو کر واپس چلے گئے۔

ان کے جاتے ہی زرتاش نے اُڑنے والے انسان کے مجسمہ کو اِدھر اُدھر سے دیکھا۔ اسے اصلی کاشو نے بنایا تھا جس کی لاش سمندر میں اس وقت مچھلیاں کھا رہی تھیں۔ زرتاش اصلی کاشو کے دماغ کے کمال کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے کمال کا اڑنے والا انسان بنایا تھا۔ اب سوال یہ تھا کہ جو پُرزہ اس کے ہاتھ میں تھا وہ کہاں لگایا جائے؟

زرتاش نے اِدھر اُدھر ہاتھ مارنا شروع کیا تو ایک جگہ زور سے ہاتھ لگنے سے اڑنے والے انسان کے پیٹ میں سے ایک چھوٹی سی کھڑکی کھل گئی۔ پیٹ کے اندر چھوٹا سا بلب جل رہا تھا جس کی روشنی میں کتنے ہی پُرزے نظر آرہے تھے۔ تانبے کے کتنے ہی پائپ اور تاریں اِدھر اُدھر جارہی تھیں۔ زرتاش کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اس نے یونہی اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کیا۔ اس نے اپنے ہاتھ کے پرزے کو غور سے دیکھا۔ ایک جگہ اس کی نظر پڑی تو اسی قسم کا ایک نٹ نیچے گرا ہوا تھا۔ زرتاش نے اسے تاروں میں سے باہر نکال کر دیکھا کہ اس کی گراری گھسی ہوئی تھی اور وہ بالکل ویسا ہی پرزہ تھا جیسا اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے جہاں سے پُرانا پُرزہ گرا ہوا تھا وہاں نیا پُرزہ لگا کر گھمایا اور کس دیا۔ اب اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ اڑنے والے انسان کے پیٹ کی کھڑکی کیسے بند کی جائے۔

زرتاش نے ایک بار پھر اس کی ٹانگوں اور پیٹ پر ہاتھ مارے

تو کھڑک کی آواز سے کھڑکی اپنے آپ بند ہوگئی۔ اس نے چاندنی میں اڑنے والے انسان کا بھرپور جائزہ لیا۔ اس کے گھٹنے کے قریب ایک سفید بٹن لگا ہوا تھا۔ زرتاش نے اس بٹن کو دبایا تو گھر گھر کی آواز پیدا ہوئی۔ اڑنے والے انسان کے بڑے بڑے دیو ہیکل پر پھڑ پھڑ کر کے پھڑ پھڑانے لگے اور وہ اپنے آپ زمین سے اوپر اٹھا اور ایک طرف کو اڑنے لگا۔ زرتاش اسے تکنے لگا کہ خدا جانے یہ کہاں جا رہا ہے؟ اڑنے والا انسان چٹانوں کے اوپر ایک چکر لگا کر ان کے پیچھے جا کر نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

زرتاش دل میں دعائیں مانگنے لگا کہ یا خدا! یہ کم بخت اپنے گیراج میں ہی چلا جائے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ کوئی پندرہ منٹ بعد سمگلروں کا لیڈر ہاشم جیپ لے کر زرتاش کے پاس آیا اور خوش ہو کر بولا۔

"کاشو! تم واقعی بڑے کمال کے آدمی ہو۔ اڑن انسان گیراج میں جا کر اتر گیا ہے۔ اب میرے ساتھ آؤ۔ ہمیں مال آگے ٹاپو کی طرف روانہ کرنا ہے۔"

زرتاش کو کچھ خبر نہیں تھی کہ کونسا مال کس ٹاپو پر جا رہا ہے لیکن وہ ان لوگوں کی پوری سراغرسانی کرنے اور گمشدہ لڑکے خالد کا پتہ لگانے اور اسے برآمد کرنے آیا تھا چنانچہ وہ جیپ میں سوار ہوتے ہوئے بولا۔

"کیا مال آگیا ہے؟"

لیڈر ہاشم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور کہا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ مال کل ہی آیا تھا اور تم نے خود تو آدھی رات کو لانچ میں سے اُتروا کر غار میں رکھوایا تھا۔"

زرتاش کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ منہ سے کوئی غیر ضروری بات نہیں نکالے گا۔ وہ ہاشم سمگلر کے ساتھ جیپ میں سوار ہو گیا۔ ہاشم خود جیپ چلا رہا تھا۔ چاندنی میں جزیرہ اور زیادہ ویران لگ رہا تھا۔ سارے جزیرے پر زرتاش کو ابھی تک کوئی درخت نظر نہیں آیا تھا۔ چاروں طرف چھوٹی چھوٹی بنجر چٹانیں اور پتھر بکھرے ہوئے تھے۔ ریتلے راستے پر لیڈر ہاشم جیپ اُڑائے لیے جا رہا تھا۔ وہ چٹانوں میں گھرے ہوئے ایک تنگ و تاریک راستے میں سے ہو کر جیپ سمیت ایک غار میں داخل ہو گیا جس کے باہر دو سمگلر مشین گنوں کا مورچہ جمائے پتھروں میں چھپے بیٹھے تھے۔

غار میں ایک نئی دنیا آباد تھی۔ یہ زمین کے اندر بنی ہوئی قدرتی غار تھی جس میں گیس کے لیمپ روشن تھے۔ یہاں دیواروں کے ساتھ سمگل کیے ہوئے مال کے بھرے ہوئے کھوکھے پڑے تھے۔ سمگلر پیٹرولیں لٹکاتے بوریوں میں سے ہیروئین، چرس اور افیم نکال نکال کر لکڑی کے کھوکھوں میں بند کر رہے تھے۔ ہاشم کو دیکھ کر ہر کوئی سلام کرنے لگا۔ راجو نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا۔

"باس! دو کروڑ ڈالر کی ہیروئین چار کھوکھوں میں بھر دی گئی ہے۔ ہمارے آدمی بالکل تیار ہیں۔"

ہاشم اور کاشو ایک لکڑی کے بکس پر بیٹھ گئے۔ ہاشم نے پوچھا۔

"اس بار پنجاب یا سندھ سے کوئی عورت یا لڑکا اُٹھا کر لایا گیا ہے یا کہ نہیں؟"

راجو بولا۔

"ایک سندھی لڑکی اُٹھا کر لائے ہیں ہمارے آدمی۔ بڑی خوبصورت ہے۔ عرب شیخ سے کم از کم پچاس ہزار روپیہ ضرور مل جائے گا۔ لڑکی پڑھی لکھی بھی ہے۔ دسویں میں پڑھ رہی تھی کہ ہمارے آدمی اسے اٹھا کر لے آئے۔"

ہاشم مسکرایا اور زتاشی کے کاندھے پر ہاتھ مار کر بولا۔

"کاشو! دیکھا ہمارے آدمی کتنے ہوشیار ہیں۔ فکر نہ کرو۔ ہم ایک ایک کر کے پنجاب اور سندھ کی ساری خوبصورت لڑکیاں اور لڑکے خلیج کے جاگیرداروں اور افریقہ کے وحشی سرداروں کے پاس لیجا کر بیچ دیں گے۔"

پھر راجو کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"چلو... اُلو کے پٹھے۔ مجھے مال دکھاؤ!"

"او کے باس!"

پہلے تو راجو کے ساتھ چل کر ہاشم نے کھوکھوں میں بھری ہوئی

نشہ آور دوا ہیروئین دیکھی۔ اس کے بعد وہ اسے ایک تنگ کوٹھڑی میں لے گیا جہاں لالٹین کی روشنی میں ایک معصوم لڑکی کونے میں بیٹھی سسکیاں بھر رہی تھی۔ اسے دیکھ کر زرتاش کا دل ہل گیا۔ ہاشم نے جاتے ہی لڑکی کے منہ پر ایک طمانچہ مار کر کہا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"

لڑکی کی چیخیں نکل گئیں۔ ہاشم نے اس کی گردن دبوچ لی۔

"حرام خور لڑکی۔ اگر پھر آواز نکالی تو گردن دبا کر مار ڈالوں گا۔

کیا نام ہے تمہارا؟"

لڑکی سہم گئی۔ تھر تھر کانپتی آواز میں بولی۔

"فاطمہ۔"

ہاشم نے زرتاش سے کہا۔

"کاشو لالٹین آگے لاؤ۔"

زرتاش لالٹین اٹھا کر لڑکی کے پاس لے گیا۔ سمگلروں کے ظالم سردار ہاشم نے لڑکی کو غور سے دیکھا۔ زرتاش نے بھی دیکھا کہ لڑکی کا رنگ سانولا تھا مگر وہ بڑی خوبصورت تھی۔ چہرہ اگرچہ رو رو کر کمزور ہو گیا تھا پھر بھی وہ بڑی معصوم اور حسین لگ رہی تھی۔ اس کی عمر سولہ سترہ سال سے زیادہ نہیں تھی۔ ہاشم نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"کاشو! میں اس لڑکی کو افریقہ کے حبشی سردار کے پاس ایک لاکھ روپے سے کم پر فروخت نہیں کروں گا۔"

زرتاشن نے بھی کاشو سمگلر کے روپ میں منہ ٹیڑھا کر کے کہا۔

"ہاں سردار! اس لڑکی کا ایک لاکھ روپیہ ضرور ملنا چاہیے۔"

ہاشم نے کہا۔

"کاشو! تم اب جا کر تھوڑا آرام کر لو۔ منہ اندھیرے تمہیں اس لڑکی کو دارہیروتین کے کھوکھول کو لیکر یہاں سے نکل جانا ہے۔ ٹاپو پر تم کل شام کو پہنچو گے۔ اس دفعہ وہاں جا کر جابر سے کہنا کہ اس لڑکی کو دوسرے اغوا کئے ہوئے لڑکے لڑکیوں سے الگ رکھے۔ میں دو ایک دنوں میں خود آ کر اس کا سودا کروں گا۔"

زرتاشن نے کہا۔

"او کے باس! میں تمہارا پیغام جابر کو پہنچا دوں گا۔"

زرتاشن نے ہاشم کے ساتھی کاشو کی شکل تو اختیار کر لی تھی مگر اس بار بڑا گھپلا ہو رہا تھا۔ پہلے وہ دوائی $\frac{RP_2}{103}$ کا انجکشن لگا کر جس آدمی یا عورت کی شکل اختیار کرتا تھا اس کی پوری یادداشت اسے مل جاتی تھی۔ مگر اس بار ایسا نہیں ہو رہا تھا۔ کاشو سمگلر کی شکل اختیار کرنے کے بعد بھی اسے کاشو کی پوری یادداشت نہیں مل سکی تھی۔ کوئی چیز یاد آ رہی تھی۔ کوئی چیز یاد نہیں آ رہی تھی۔ شاید یہ اس وجہ سے تھا کہ اس کی لاہور والی لیبارٹری میں اس کا فارمولا جل کر راکھ ہو گیا تھا اور اس نے پچھلی بار واشنگٹن میں جا کر نیا فارمولا تیار کیا تھا۔ اس فارمولے کی تیاری میں کوئی کمی رہ گئی تھی۔ آپ کو یاد ہو گا کہ پچھلی بار بھی

جب پروفیسر زرتاش نے ایٹمی راکٹوں پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لیے امریکہ کے صدر کی شکل اختیار کی تھی تو ایک خاص وقت گزر جانے پر وہ اپنے آپ اپنی اصلی شکل پر واپس آگیا تھا۔ جبکہ پہلے وہ سبز رنگ کا کیپسول کھانے کے بعد اپنی اصلی شکل میں واپس آتا تھا۔ اس کا پروفیسر زرتاش کے پاس کوئی علاج نہیں تھا۔ اس بار بھی وہ دل میں ڈر رہا تھا کہ کہیں اس کی شکل اچانک بدل نہ جائے اور کاشو سمگلر سے زرتاش نہ بن جائے۔

اب اسے یہ یاد نہیں آرہا تھا کہ وہ غار میں کس جگہ سوتا ہے۔ تاکہ وہاں جاکر صبح ہونے تک آرام کرے۔ وہ یونہی ایک طرف چل پڑا تو پیچھے سے ہاشم نے آواز دی۔

"او کاشو پاگل کی اولاد۔ یہ کدھر جا رہے ہو؟ تمہاری کوٹھڑی تو دوسری طرف ہے۔"

زرتاش کو فوراً غلطی کا احساس ہوا۔ وہ رک گیا اور مسکرا کر بولا۔

"مجھے اپنی کوٹھڑی کا پتہ ہے باس! میں تو ادھر ذرا مال کی نسپکشن کرنے جا رہا تھا۔"

ہاشم نے اُسے ڈانٹ کر کہا۔

"میں جو کہوں وہی کیا کرو۔۔۔ جاؤ جا کر سو جاؤ۔"

زرتاش کو اب بھی اپنی کوٹھڑی کا کچھ علم نہیں تھا۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ ایک سمگلر اس کی ساتھ والی کوٹھڑی میں جا رہا تھا۔ وہ ایک کوٹھڑی کے پاس رُک کر بولا۔

"کاشو! اب آرام کرو۔ مجھے جگا لینا صبح۔ میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا۔"

زرتاش ایک تنگ کوٹھڑی میں میں داخل ہو گیا جہاں موم بتی جل رہی تھی۔ فرش پر بستر لگا تھا اور کھانے کے لیے پھل اور سوکھے میوے کا تھال بھرا ہوا رکھا تھا۔ وہ لیٹ گیا اور سوچنے لگا کہ ضرور یہاں سے سارے دن کے سفر کے بعد وہ سمندر میں جس ٹاپو پر پہنچے گا وہاں پہلے سے کچھ بچے پاکستان سے اغوا کر کے رکھے ہوئے ہیں جن کو یہ سنگدل بردہ فروش عرب شیخوں اور افریقی وحشی سرداروں کے پاس لے جا کر بیچ دیتے ہیں۔ اسے بار بار سندھی لڑکی فاطمہ کا خیال آ رہا تھا جس بے چاری کو وہ حیدر آباد شہر سے دو روز پہلے اغوا کر کے لاتے ہیں۔ زرتاش اگر چاہتا تو وہاں سے فرار ہو کر کراچی پہنچ جاتا اور وہاں پولیس کا زبردست چھاپہ مروا کر ان سب کو گرفتار کروا سکتا تھا۔ کیونکہ آسیبی جزیرے کا بھید اس پر کھل چکا تھا کہ اڑنے والا انسان کوئی بھوت پریت نہیں ہے اور جس انسانی سر نے بادبانی جہاز کو اٹھا رکھا ہے وہ بھی ایک بہت بڑا مشینی سر ہے جس کے اندر جہاز کا انجن لگا ہوا ہے اور وہ سمندر میں انجن کی طرح چلتا ہے مگر ابھی زرتاش ایسا نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ جس مقصد کے لیے وہاں آیا تھا ابھی وہ مقصد پورا نہیں ہوا تھا۔ اس نے ابھی کفن پوش بیوہ عورت کی روح کے بیٹے خالد کو برآمد نہیں کیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ خالد بھی اس سمندری ٹاپو

میں قید کر کے رکھا گیا ہے جہاں وہ جا رہا ہے اور جہاں دوسرے اغوا کئے ہوئے بچے قید ہیں۔

زرتاش سوچتے سوچتے سو گیا۔ ابھی دن نہیں نکلا تھا کہ ہاشم نے اسے اٹھا دیا۔ "اٹھو کاشو! وقت ہو گیا ہے۔ تمہیں بھوت جہاز کو بھی چیک کرنا ہے۔"

بھوت جہاز وہ انسانی سروالے جہاز کو کہتا تھا۔ اس نے زرتاش کو ساتھ لیا اور غار میں سے نکل کر جزیرے کے جنوب کی طرف پہاڑیوں میں آ گیا۔ پو پھٹ رہی تھی۔ آسمان پر ستارے پھیکے پڑنے لگے تھے ابھی دن کی روشنی جزیرے پر نہیں پھیلی تھی۔ زرتاش سمگلر کاشو کے حلیے میں اس کی طرح کندھے ہلا ہلا کر وحشیوں کی طرح ہاشم کے ساتھ چل رہا تھا۔ ہاشم اسے لیکر سمندر کے کنارے آ گیا۔ اب زرتاش نے دیکھا کہ کنارے سے تھوڑی دور وہی انسانی سروالا جہاز کھڑا تھا۔ اس کا لنگر سمندر میں گرا ہوا تھا۔ ہاشم نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کاشو! اگر تم امریکہ میں ہوتے تو حکومت کے سب سے بڑے انجینئر ہوتے۔ تم بڑے بڑے راکٹ تیار کرتے۔ اس جہاز کو تیار کر کے تم نے کمال کر دیا ہے۔"

وہ دونوں ایک کشتی میں بیٹھ گئے جس کو دو سمگلر انہیں دیکھتے ہی وہاں لے آئے تھے۔ زرتاش حیران تھا کہ اس جزیرے پر اس سمگلر ہاشم کی حکومت تھی۔ ہاشم کہہ رہا تھا۔

"کاشو! تمہارے بنائے ہوئے اس بھوت جہاز نے پولیس اور کسٹم والوں کے دل میں ایسا خوف اور دہشت پیدا کر دی ہے کہ اِدھر کا رخ کرتے ہوئے اِن کے جسم خوف سے تھر تھر کانپنے لگتے ہیں۔ رہی سہی کسر اڑنے والے انسان نے پوری کر دی ہے۔ ہمارے جاسوسوں نے مجھے بتایا ہے کہ کراچی پولیس اور کسٹم والے اس جزیرے کا نام سن کر کانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس بنجر جزیرے پر بھوتوں کا راج ہے۔ جو کوئی اُدھر جاتا ہے ایک بھوت نمودار ہوتا ہے جس نے ایک بادبانی جہاز سر پر اٹھا رکھا ہوتا ہے۔ اس کی آنکھوں سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں۔ ایک اڑتا ہوا بھوت آتا ہے جس کے منہ سے بھیانک آوازیں نکلتی ہیں۔ اِن کو دیکھتے ہی انسان کا ہارٹ فیل ہو جاتا ہے۔ اگر وہ خود نہیں مرتا تو اِن بھوتوں کی آنکھوں سے نکلے ہوئے آگ کے شعلے اِسے جلا کر بھسم کر دیتے ہیں۔

میرے جاسوسوں نے مجھے خبر دی ہے کہ پولیس اور کسٹم والے دہشت کے مارے کسی سے اس جزیرے کا ذکر نہیں کرتے۔"

ہاشم سمگلر قہقہہ لگا کر ہنسا۔ "اس کا ہمیں بہت فائدہ ہے

رہا ہے۔ ہم آزادی سے بچوں کے اغوا اور ہیروئین، چرس، افیون کی سمگلنگ کا کام کر رہے ہیں اور کروڑوں روپے کما رہے ہیں۔ ہا ہا ہا ہا۔"

پروفیسر زرتاش کو سارا راز معلوم ہو گیا تھا۔ کشتی بادبانی جہاز کے قریب پہنچ گئی تھی۔ اب دن کی نیلی نیلی روشنی نکل آئی تھی۔ یہ جہاز جزیرے کے جنوب کی طرف پانی میں کھڑا تھا جو جزیرے کی اوٹ میں تھا۔ دوسری طرف سے کوئی شخص اس جہاز کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ پروفیسر زرتاش نے غور سے دیکھا کہ جس انسانی سر پر ایک بہت بڑا بادبانی جہاز کھڑا تھا وہ سر خود بہت بڑا تھا کشتی اس کے قریب سے گذری تو زرتاش نے دیکھا کہ اس انسانی سر کی آنکھوں کی جگہ وہ بہت بڑے بڑے سوراخ تھے جہاں سرخ رنگ کے شیشے لگے تھے۔ ان کے پیچھے سرخ بلب رات کو روشن ہو کر سمندر میں دور تک سرخ رنگ کے شعلے پھینکتے تھے۔

کشتی اس عظیم انسانی سر کے ناک کے پاس جا کر رک گئی جو سمندر کے پانی سے باہر نکلا ہوا تھا اس ناک کے اندر لمبی سیڑھی تھی جو اوپر جہاز پر جاتی تھی۔ ہاشم آگے آگے تھا۔ زرتاش اس کے پیچھے تھا۔ وہ جان بوجھ کر کسی نہ کسی بہانے پیچھے رہ جاتا تھا تاکہ اسے خود کوئی بات معلوم نہ کرنی پڑ جائے۔ ہاشم نے انسانی سر کی ناک کے کونے پر لگا ہوا ایک چھوٹا سا بٹن دبایا۔ ناک کے

ایک سوراخ کا تختہ اوپر اٹھ گیا اس کے اندر لکڑی کا زینہ اوپر انسانی سر کے دماغ کے اندر سے ہوتا ہوا بادبانی جہاز کے اندر چلا گیا تھا۔ ہاشم اور زرتاش زینے پر چڑھ کر سیڑھیاں چڑھنے لگے۔

پروفیسر زرتاش نے دیکھا کہ وہ جس پلاسٹک اور لکڑی کے بنے ہوئے انسانی سر کی ناک میں سے گزر رہا تھا اس کے اندر چھت پر بجلی کے بلب روشن تھے۔ گول دماغ کے اندر یعنی کھوپڑی کے گنبد میں لوہے کے بڑے بڑے کھمبے ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے جنہوں نے بادبانی جہاز کو انسانی سر کی کھوپڑی کے اوپر تھام رکھا تھا۔

ہاشم نے کہا۔

"تم نیچے جا کر انجن کو چیک کر لو کیونکہ یہ بھوت جہاز مال لے کر جائے گا اور میں نہیں چاہتا کہ راستے میں یہ کسی جگہ خراب ہو جائے۔"

"او کے باس۔"

یہ کہہ کر زرتاش سیڑھیاں چڑھ کر بائیں جانب گھوم گیا۔ یہاں دو سمگلر جو شکل و صورت سے ڈاکو مستری لگتے تھے زرتاش کو دیکھ کر ہنسے۔ ان میں سے ایک بولا۔

"کاشو باس! انجن ایک دم نمبر ون ہے۔ جا کر مالوم کر لو۔"

زرتاش نے بھی ان کی طرح ہی جاہلوں کی طرح کہا۔

"بکواس بند کر۔ چل مجھے چل کر انجن دکھا۔ میں چیک کروں گا۔"

"او کے کاشو باس! تم نے بھوت جہاز کو بنایا ہے تم خود چیک

کرے گا۔ اُؤ کے باس... چلو۔"

وہ ایک لکڑی کے ڈونگے میں بیٹھ گئے جو انسانی سر کی کھوپڑی میں اس کی آنکھ کے پاس رسّی سے لٹکا ہوا تھا۔ یہ ڈونگا نیچے اترنے لگا۔ وہ انسانی سر کی گردن کے اندر سے ہو کر نیچے چلے گئے۔ زرتاش نے دیکھا کہ انسانی سر تو سمندر کے باہر جہاز کو کھوپڑی پر اٹھائے ہوئے تھا مگر سمندر کے اندر اس کا جسم ایک بہت بڑی کشتی کے پیندے کی طرح لمبائی کی شکل میں پھیلا ہوا تھا۔ یہاں جہاز کے انجن لگے ہوئے تھے۔ اوپر سے اگرچہ یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ یہ ایک بادبانی جہاز ہے جو ہوا کے زور پر چلتا ہے مگر اس کے نیچے باقاعدہ انجن لگے ہوئے تھے۔ جو جہاز کو سمندر میں چلاتے تھے۔ چونکہ اس جہاز کو بھوتوں کا آسیبی جہاز ظاہر کرنا تھا اس لیے اسے پرانے زمانے کے جہاز کی شکل دی ہوئی تھی۔ سمگلر ہاشم نے اپنے ایسے آدمی پولیس اور کسٹم والوں میں چھوڑ رکھے تھے جنہوں نے یہ افواہیں پھیلا رکھی تھیں کہ اس جہاز پر پانچ سو برس پہلے کی بدروحوں نے قبضہ کر رکھا ہے جو جس انسان کو یا کشتی کو دیکھتی ہیں اسے وہیں جلا کر بھسم کر دیتی ہیں۔

اس بھوت جہاز کی پولیس والوں اور کسٹم والوں میں اتنی دہشت تھی کہ وہ اس کا نام سن کر ہی کانپنے لگ جاتے تھے۔ چنانچہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہاشم سمگلر کا گروہ آزادی سے سمگلنگ اور بچوں کو اغوا کر کے فروخت کرنے کا گھناؤنا کاروبار کر رہا تھا۔

زرتاش انسانی سر والے جہاز کے پیندے یعنی بہت بڑے

انسانی سر کے نیچے اس کے سینے میں چل پھر رہا تھا جہاں بڑے بڑے دو انجن لگے ہوئے تھے۔ کچھ سمگلر انجن کی صفائی کر رہے تھے۔ زرتاش کو انجن کا کچھ پتہ نہیں تھا۔ اس نے یونہی ایک سمگلر سے پوچھا۔

"پسٹن ٹھیک کام کر رہے ہیں؟"

"یس باس! ہر پسٹن ٹھیک کام کرتا ہے۔ ہم شالا یہاں کس لیے بیٹھا ہے۔"

زرتاش اسی ڈونگا نما لفٹ میں بیٹھ کر اوپر بادبانی جہاز کے عرشے پر آ گیا۔ یہاں تازہ ہوا میں صبح کی روشنی پھیلنے لگی تھی۔ ہاشم سردار وہاں کھڑا جہاز میں ہیروئین اور چرس سے بھرے ہوئے کھوکھے رکھوا رہا تھا۔ وہ سخت غصے میں تھا اور سمگلروں کو گالیاں دے رہا تھا۔

"حرام زادو... میں منہ اندھیرے اسے یہاں سے نکال دینا چاہتا تھا۔ اب دن نکل آیا ہے جلدی کرو۔ جلدی۔"

ہنٹر اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ اسے لہرا لہرا کر ٹپاخ ٹپاخ کی آوازیں نکال رہا تھا۔ زرتاش کو دیکھ کر بولا۔

"کاشو! تم نے انجن چیک کر لیا۔"

زرتاش نے فوراً کہا۔

"کر لیا باس! سب کچھ اوکے ہے۔"

ہاشم نے کہا۔

"اگر اس بار جہاز آدھے راستے میں سمندر میں رک گیا تو میں تمہیں

گولی مار دوں گا۔ اب یہ تمہاری ذمے داری ہے۔ مال کل شام تک ٹاپو میں جابر کے پاس پہنچ جانا چاہیے۔ او کے؟"

"او کے باس۔"

زرتاش نے سیلوٹ مار کر کہا۔ ہاشم بولا۔

"اب جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے نکل جاؤ اور وہی سمگلروں والا خفیہ روٹ اختیار کرنا۔"

یہ کہکر ہاشم النسانی سر کی ناک میں بنی ہوئی سیڑھیوں میں سے اُتر کر کشتی میں سوار ہو گیا اور ساحل کی طرف چل دیا۔ اس کے جاتے ہی جہاز کا لنگر اُٹھا دیا گیا اور انجن سٹارٹ ہو گئے۔ گھر گھر کی آواز کے ساتھ جہاز نے ایک طرف چلنا شروع کر دیا۔ جہاز کے بادبان بھی یونہی دکھاوے کے لیے کھول دیئے گئے تھے۔ جہاز جس سمندری راستے پر جا رہا تھا وہاں سمندر میں جگہ جگہ بڑی بڑی نوکیلی چٹانیں باہر نکلی ہوئی تھیں۔ جہاز ان چٹانوں کی اوٹ میں ہو کر چلا جا رہا تھا۔ زرتاش نے محسوس کیا کہ اس راستے پر دور دور تک کوئی دوسرا بحری جہاز نظر نہیں آتا تھا۔ آسمان پر سے کوئی ہوائی جہاز بھی نہیں گذرا تھا۔ سارا دن یہ بادبانی پُراسرار النسانی سر والا جہاز سمندر میں سفر کرتا رہا۔ شام ہونے سے تھوڑی دیر پہلے سمندر میں ایک جگہ پہاڑیوں کے درمیان ایک چھوٹا سا ٹاپو نظر آیا۔ جہاز کا رُخ اُس طرف موڑ دیا گیا۔ جہاز جزیرے کے ساحل سے تھوڑی دُور گہرے سمندر میں رُک گیا۔ زرتاش نے دیکھا کہ ساحل کیطرف

سے ایک موٹر لانچ جہاز کی طرف چلی آ رہی ہے۔ اس میں ایک عربی لباس والا اونچا لمبا آدمی کھڑا تھا۔

موٹر لانچ انسانی سر والے جہاز کی ناک کے پاس آکر رُک گئی اس عربی لباس والے نے ہاتھ اُٹھا کر زرتاش کو سلام کیا۔ کیونکہ وہ تو اسے کاشو سمگلر ہی سمجھ رہا تھا جو سمگلنگ کا مال لیکر ٹاپو پر آیا تھا۔ زرتاش نے بھی ایک وحشی سمگلر کی طرح ہاتھ لہرا کر اور منہ سے عجیب سی آواز نکال کر اس کے سلام کا جواب دیا۔

زرتاش ڈونگے میں بیٹھ کر انسانی سر کی ناک میں آگیا اور ناک کے اندر بنی ہوئی سیڑھیوں پر سے اُترتا ہوا اس کی ناک کے سوراخ کے دروازے میں سے نکل کر موٹر لانچ میں آگیا۔ عربی لباس والے شیخ نے زرتاش کو گلے سے لگا لیا اور کہا۔

"خوش آمدید کاشو! جابر تمہیں سلام کہتا ہے۔ کہو اس بار کتنا مال لائے ہو؟ ہمیں اس دفعہ امریکہ اور فرانس میں بہت سا مال سپلائی کرنا ہے۔"

زرتاش سمجھ گیا کہ یہی وہ جابر سمگلر ہے جس کے بارے میں سمگلروں کے سردار ہاشم نے اسے کہا تھا کہ سارا مال اس کے حوالے کرنا ہے... جابر نے اپنے گلے میں پستول لٹکا رکھا تھا اور کمر کے ساتھ تلوار لگی ہوئی تھی۔ یہ شخص شکل ہی سے کوئی جلاد لگتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد انسانی سر والے جہاز سے سمگلنگ کا سارا سامان

اتار لیا گیا اور ٹاپو کے گودام میں رکھ دیا گیا۔

سندھی لڑکی فاطمہ کو دیکھ کر جابر بہت خوش ہوا۔ کہنے لگا۔

"لیڈر ہاشم نے مجھے وائرلیس پر بتا دیا تھا کہ اس بار ایک بڑی خوبصورت لڑکی اغوا کر کے لائی جا رہی ہے اور اسے کسی افریقی سردار کے پاس فروخت کرنا ہے۔ سچ مچ لڑکی تو شہزادی لگتی ہے۔ اس کا کافی مال ملے گا۔"

اس نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ سندھی لڑکی فاطمہ کو خفیہ تہہ خانے میں لیجا کر بند کر دیا جائے۔ بے چاری فاطمہ خوف سے آدھی رہ گئی تھی۔ رو رو کر اس کے آنسو بھی خشک ہو گئے تھے۔ وہ اپنے ماں باپ اور پیارے بہن بھائیوں کی یاد میں نڈھال تھی۔

پروفیسر اس کے ساتھ خفیہ تہہ خانے تک گیا تاکہ تہہ خانے کو دیکھ لے۔ رات کو اس نے جابر سمگلر کے ساتھ کھانا کھایا اور باتوں ہی باتوں میں معلوم کرنے کی کوشش کی کہ خالد نام کا لڑکا اس نے دیکھا ہے؟

جابر نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"کاشو! تم اس لڑکے کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہو۔ کیا وہ تمہارا بھانجا لگتا ہے؟"

زرتاشی نے کندھے جھٹک کر کہا۔

"میرا بھانجا کوئی نہیں ہے۔ میں تو اس لڑکے کا نام اس لیے پوچھ

رہا ہوں کہ مجھے کراچی میں خبر ملی تھی کہ اس لڑکے کو کراچی کے ایک ایسے ہیروں کے سوداگر کا پتہ ہے جس نے ایک خفیہ جگہ پر کروڑوں روپے کے ہیرے جواہرات کا خزانہ چھپا رکھا ہے۔"

جابر نے جلدی سے پوچھا۔

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟"

زرتاش نے کہا۔

"اور کیا جھوٹ بول رہا ہوں۔ اگر تم مجھے اس لڑکے کے بارے میں بتا دو کہ وہ کہاں ہے تو میں اس سے خزانے کا پتہ معلوم کر کے اسے حاصل کر سکتا ہوں۔ پھر ہم دونوں اس خزانے کو آدھا آدھا بانٹ لیں گے۔ کیا یہ سودا تمہیں منظور ہے؟"

جابر بولا۔

"منظور ہے۔"

زرتاش نے کہا۔

"لیکن اس کا علم طاسم کو نہیں ہونا چاہیے۔ یہ بات میرے اور تمہارے درمیان ہی رہنی چاہیے۔"

جابر بولا۔

"تم فکر کیوں کرتے ہو کاشو! میں سردار کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دوں گا۔ مگر وہ لڑکا خالد کون تھا؟ میں تو کتنے ہی اغوا کئے ہوئے بچوں کو فروخت کر چکا ہوں۔ کیا تمہارے پاس خالد

کی تصویر ہے؟"

"کیوں نہیں۔"

اور پروفیسر زرتاش نے جیب سے خالد کی تصویر نکال کر جابر کو دکھائی۔

جابر تصویر دیکھ کر بولا۔

"ارے! اس لڑکے کو تو میں نے تین مہینے پہلے قطر کے ایک ٹھیکیدار کے پاس فروخت کیا تھا۔"

زرتاش نے کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ خالد کو اس ٹھیکیدار کے پاس سے واپس لے آؤں۔"

جابر نے کہا۔

"مگر وہ ٹھیکیدار لڑکا واپس نہیں کرے گا۔ اس نے تو پانچ ہزار ریال دے کر لڑکے کو خریدا ہوا ہے۔"

زرتاش بولا۔

"یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ مجھے ٹھیکیدار کا پتہ بتاؤ میں صبح ہی قطر روانہ ہو جانا چاہتا ہوں۔ کیا یہاں سے مجھے کوئی لانچ وغیرہ مل جائے گی؟"

جابر حیران ہو کر کہنے لگا۔

"کیا تم نہیں جانتے کہ قطر جانے کے لیے ہم یہاں سے اپنی

کشتی میں بیٹھ کر سمندر میں دس میل دور ایک بندرگاہ پر جاتے ہیں اور پھر وہاں سے ہم کو موٹر لانچ مل جاتی ہے؟"

زرتاش کو بھلا یہ کیسے معلوم ہو سکتا تھا۔ اس بار شکل بدلنے سے تو بار بار گھپلا ہو رہا تھا۔ اسے کچھ محسوس ہونے لگا تھا کہ اس کے اندر تبدیلی سی آ رہی ہے۔ وہ اندر سے گھبرایا ہوا تھا اور اپنے مشن کو جلدی مکمل کر لینا چاہتا تھا مگر یہ اس کے اپنے اختیار میں نہیں تھا۔ بہرحال وہ منہ اندھیرے ایک کشتی میں بیٹھ کر دس میل دُور ایک بندرگاہ پر پہنچ گیا جو سمگلروں کی جنت تھی۔ یہاں وہ ایک موٹر لانچ میں سوار ہوا اور دوپہر تک قطر پہنچ گیا۔

اس کے پاس جعلی پاسپورٹ موجود تھا جس پر قطر کا جعلی ویزا لگا ہوا تھا۔ اس کے پاس کافی پیسے بھی تھے۔ وہ ایک ہوٹل میں ٹھہر گیا۔ کھانا کھایا اور فوراً ٹیکسی لے کر اس ٹھیکیدار کی حویلی کی طرف چل دیا جہاں کفن پوش روح شکیلہ کا بیٹا خالد غلام بن کر زندگی بسر کر رہا تھا۔

ٹھیکیدار حویلی میں نہیں تھا۔ زرتاش کو پتہ چلا کہ اس کے غلام لڑکے ٹھیکیدار کے کھیتوں میں کام کرتے ہیں۔ زرتاش کھیتوں کی طرف روانہ ہو گیا۔ کھیت صحرا سے کافی دور تپتے ہوئے صحرا میں تھے۔ زرتاش ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ کاشو سمگلر کی شکل میں تھا اور اس نے جیکٹ پتلون پہن رکھی تھی۔ اچانک اس کا دل زور زور سے دھڑکنا شروع

ہو گیا۔ اس کے خون میں تبدیلی شروع ہو گئی تھی۔

پروفیسر زرتاش پریشان ہوا۔ وہ سمجھ گیا کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا تھا۔ وہ کاشو سمگلر سے خدا جانے اپنی یا کسی اور کی شکل میں بدلنے والا تھا۔ یہ بڑی خطرناک بات تھی۔ اس طرح سے اس کا سارا مشن تباہی کا شکار ہو سکتا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی بڑی کوشش کی مگر جو ہونا تھا وہ ہو کر رہا۔

کفن پوش ماں کا بیٹا

ابھی کھیت ایک میل دُور تھے کہ زرتاش کی شکل بدل گئی۔
اس نے گھبرا کر اپنے چہرے پر انگلیاں پھیریں۔ اسے خطرہ تھا کہ کہیں اس کی سونڈ نہ نکل آئی ہو۔ کیونکہ اسے اب اپنے انجکشن RP2/103 پر کوئی اعتبار نہیں رہا تھا۔ اس کی سونڈ نہیں نکلی تھی۔ اس نے جھک کر ٹیکسی میں لگے ہوئے چھوٹے سے شیشے میں دیکھا۔ وہ اپنی اصلی شکل میں واپس آ چکا تھا۔
پروفیسر زرتاش نے مایوسی سے اپنا سر پکڑ لیا۔ اس کے ساتھ یہ بہت بڑا حادثہ ہو گیا تھا۔ اس کے سارے کئے کرائے پر پانی پھر گیا تھا۔ وہ اب کاشو سمگلر کی شکل میں نہیں تھا اس لیے خالد کو یہاں سے نکال کر واپس جابر کے پاس نہیں جا سکتا تھا جہاں اس نے ابھی سندھی لڑکی فاطمہ کو بھی بچا کر اپنے ساتھ واپس لے جانا تھا۔ اس نے فوراً فیصلہ کر لیا کہ وہ خالد کو برآمد کر کے قطر سے ہی ہوائی جہاز میں سوار کرا کر سیدھا لاہور انسپکٹر فرید کے پاس روانہ کر دے گا اور خود کسی طرح جابر سمگلر کے

ٹاپو پر جا کر سندھی لڑکی فاطمہ کو وہاں سے نکال لے جانے کی کوشش کرے گا۔ اسے دھوپ میں جلتے ہوتے صحرا میں دُور کھیت نظر آئے۔ اس نے ٹیکسی والے سے کہا کہ وہ اسی جگہ ٹیکسی روک دی۔ ٹیکسی ڈرائیور نے گھوم کر دیکھا تو حیرت سے اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ کیونکہ جس سواری کو اس نے شہر سے بٹھایا تھا یہ وہ سواری نہیں تھی۔ کیونکہ جس وقت زرتاش ٹیکسی میں سوار ہوا تھا تو وہ کاشو سمگلر کے روپ میں تھا اور اب پروفیسر زرتاش کی شکل میں تبدیل ہو چکا تھا۔ زرتاش نے ڈرائیور سے کہا۔

"پہلے میں میک اپ میں تھا اب میں نے میک اپ اُتار دیا ہے۔ تم گھبراؤ نہیں۔ تم اسی جگہ ٹھہرو۔ میں تمہیں دوگنا کرایہ دوں گا۔"

زرتاش ٹیکسی سے نکل کر کھیتوں میں آگیا۔ یہاں کچھ لوگ سخت دھوپ میں کھیتوں میں کام کر رہے تھے۔ مگر یہاں خالد نہیں تھا۔ زرتاش نے ایک آدمی کو دوسری طرف لیجا کر اسے ایک ڈالر کا نوٹ دیا اور خالد کی تصویر دکھا کر کہا۔

"کیا تم جانتے ہو کہ یہ لڑکا مجھے کہاں مل سکتا ہے؟"

اس آدمی نے تصویر دیکھ کر سر کھجاتے ہوئے کہا۔

"پندرہ بیس روز پہلے یہ لڑکا یہیں تھا مگر اب یہاں نہیں ہے۔"

"وہ کہاں چلا گیا ہے؟" زرتاش نے پوچھا۔

وہ آدمی بولا۔
"میرا کسی کو نہ بتانا۔ وعدہ کرو۔"
"میں وعدہ کرتا ہوں کہ کسی سے تمہارا ذکر نہیں کروں گا۔"
اس آدمی نے زرتاش کو بتایا کہ خالد کو ٹھیکیدار نے آٹھ ہزار ریال میں ایک بدنام اور ظالم خرکار جبّال کے پاس فروخت کر دیا ہے جو اسے اپنے قلعے میں لے گیا ہے جہاں خالد اس کا زرخرید غلام بن کر کام کرتا ہے۔ زرتاش نے قلعے کے بارے میں پوچھا تو اس آدمی نے بتایا کہ یہ قلعہ بہت دُور صحرا کی کالی پہاڑیوں میں ہے اسے کالا قلعہ کہتے ہیں۔
ٹیکسی والے نے آگے جانے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ کالے قلعے تک کا صحرائی راستہ بہت خطرناک تھا اور تپتے صحرا میں بھٹک جانے کا خطرہ تھا۔ زرتاش وہاں سے ایک چھوٹے سے گاؤں کی سرائے میں آ گیا۔ سب سے پہلے اس نے اپنا جائزہ لیا۔ اس کے پاس کوئی ریوالور یا پستول نہیں تھا۔ صرف چند ڈالر اور ریال تھے اور زہریلے پستول والا سگار تھا۔ زرتاش کو ہر حالت میں خرکاروں کے کالے قلعے میں جانا تھا اور کفن پوش روح کے بیٹے خالد کو وہاں سے نکال کر لانا تھا۔ اس نے اپنا حلیہ عربی فقیروں ایسا بنایا۔ لمبا چولا پہن کر گلے میں تسبیح ڈالی۔ پانی کی چھاگل ساتھ رکھی۔ کھانے کے لیے خشک گوشت کا ایک لفافہ لیا اور خرکاروں کے قلعے کی طرف روانہ ہو گیا۔

پروفیسر زرتاش ٹھنڈی رات کو سفر کرتا اور دن کے وقت صحرا کی تیز دھوپ سے بچکر کسی جگہ آرام کرتا۔ دوراتوں کے سفر کے بعد اسے صحرا میں دُور کالی پہاڑیوں میں ایک پرانا قلعہ نظر آیا۔ یہی غدکاروں کا کالا قلعہ تھا۔ زرتاش ریت کے ٹیلوں کے پیچھے سے ہوتا ہوا کالی پہاڑیوں میں آگیا اور اب رات ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ وہ رات کے اندھیرے میں قلعے میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ وہ ایک ریت کے ٹیلے کی چھاؤں میں بیٹھ گیا۔ تھوڑا سا گوشت کھایا اور پانی پیا۔ پھر غور سے قلعے کو تکنے لگا۔ اسے قلعے کی دیوار پر سخت دھوپ میں کچھ غلام جانوروں کی طرح اینٹیں ڈھوتے اور گارے سے لگاتے نظر آرہے تھے۔ اسے خالد کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ لیکن اس کا دل کہہ رہا تھا کہ خالد اسی قلعے میں ہے۔ جب صحرا میں سورج غروب ہو گیا اور رات کا اندھیرا اچھی طرح پھیل گیا تو زرتاش نے قلعے کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

یہ قلعہ بڑا ہیبت ناک تھا اس کے دروازے پر دو ڈاکوؤں ایسی شکلوں والے آدمی مشین گنیں لیے پہرہ دے رہے تھے۔ زرتاش نے جاتے ہی آواز لگائی۔

"خدا بھلا کرے گا۔ فقیر کو کھانا کھلاؤ۔ فقیر کو بھوک لگی ہے۔"

پہرے داروں نے حیرانی سے زرتاش کو دیکھا کہ اس ویرانے میں

رات کے وقت یہ فقیر کہاں سے نکل آیا ہے۔ یہاں غلاموں سے جانوروں کی طرح کام لیا جاتا تھا اور یہ ناجائز اور غیر قانونی کام تھا چنانچہ خرکار جبّال بڑی احتیاط کرتا تھا اور یہاں کسی غیر آدمی کو آنے کی اجازت نہیں تھی۔

پہرے داروں نے زرتاش کو پکڑ لیا اور اسے خرکار جبّال کے پاس لے گئے۔ زرتاش خرکار جبال کی شکل دیکھ کر ایک بار تو ڈر گیا... کالا چہرہ، سر پر بالوں کا جھاڑ، ناک مڑا ہوا۔ گھنی سیاہ ڈاڑھی، کمر میں تلوار۔ وہ ایک بڑے پلنگ پر بیٹھا حقّہ پی رہا تھا۔ وہ غلام اس کے پیچھے ننگی تلواریں لیے کھڑے تھے۔ دو غلام اس کے پاؤں داب رہے تھے۔ اس نے زرتاش کو عقاب ایسی تیز نگاہوں سے دیکھا اور کڑک کر پوچھا۔

"کون ہو تم؟ تمہیں پولیس نے بھیجا ہے؟"

زرتاش نے کہا۔

"میں فقیر ہوں شیخ! بھوک لگی ہے۔ ادھر آگیا کہ شاید کچھ کھانے کو مل جائے۔"

خرکار جبّال نے ایک غلام کو اشارہ کیا۔

"اس کی تلاشی لو۔ یہ پولیس کا جاسوس ہے۔"

غلام نے زرتاش کی تلاشی لی تو اس کی جیب میں سے زہریلے پستول والا سگار نکلا۔ خرکار جبّال نے سگار کو غور سے دیکھ کر پوچھا۔

"تم فقیر ہو مگر سگار پیتے ہو؟"

زرتاش نے عاجزی سے کہا۔ نے

"یا شیخ! یہ سگار مجھے ایک امیر آدمی نے خیرات میں دیا تھا

میں تو حقہ پیتا ہوں۔" دیکھ

دل میں زرتاش ڈرنے لگا کہ کہیں خرکار جبال سگار کو

شروع کر دے کیونکہ زرتاش اس کے بالکل سامنے کھڑا تھا قلعے کا گھڑیال

اس کی انگلی سے سگار کا خفیہ بٹن دب گیا تو سگار کے اندر ہائیں گے۔"

نکل کر سیدھی زرتاش پر پڑے گی اور وہ زندہ نہیں بچ سکے

جبال نے سگار کو سلگانے کی بجائے جیب میں رکھ لیا اور غلا

دیا کہ اس جاسوس فقیر کو قید خانے میں ڈال دو۔

غلام تلوار لیے زرتاش کی طرف بڑھے اور اسے گھسیٹتے ہوئے قلعے کے ایک تنگ و تاریک قید خانے میں لیجا کر بند کر دیا۔ زرتاش تو ہکا بکا ہو کر رہ گیا کہ کیا کرنے آیا تھا اور اس کے ساتھ کیا حادثہ پیش آگیا ہے۔ اسے خالد کے بارے میں بھی پریشانی تھی اور اپنے سگار کی بھی فکر تھی۔ یہ سگار اسے ہر حالت میں خرکار جبال سے واپس لینا تھا جو ابھی ناممکن نظر آرہا تھا۔ وہ ساری رات اور اگلا سارا دن قید خانے میں پڑا رہا۔ اسے ایک بار کھانے کو سوکھی روٹی پانی کے ساتھ دی گئی۔

تین دن کے بعد خرکار جبال کے حکم پر زرتاش کو بھی دوسرے

اغلاموں کے ساتھ قلعے کی تعمیر کے کام پر لگا دیا گیا۔ زرتاش کو سگار
جانا سخت فکر لگی ہوئی تھی کہ کہیں جبال اسے پی نہ ڈالے۔ کیونکہ اگر
چنانچہ شخص سگار کو پینا شروع کر دے اور خفیہ بٹن نہ دبائے تو
کی اسگار میں لپٹے ہوئے پستول کے اندر ہی رہتا ہے اور سگار
پھر راکھ ہو جاتا تھا اور پستول اندر سے نکل آتا تھا۔ یہ بات جبال
پاس لے گئے۔ دیتی کہ زرتاش پولیس کا جاسوس ہے اور وہ اسے وہیں
کالا چہرہ ہے۔ لیکن لگتا تھا کہ جبال نے سگار ابھی نہیں پیا تھا۔
تلوار۔ وہ ایک نے پہلے ہی دن غلاموں کا جائزہ لیا۔ اس کو خالد کہیں
سمجھے ننگی تلوار صبح سے شام تک سخت دھوپ میں اینٹیں ڈھوتا رہتا۔
شام کو سخت تھک کر دوسرے غلاموں کے ساتھ ریت پر بیٹھ گیا...
انہیں ایک ایک سوکھی روٹی اور پانی دیا گیا۔ زرتاش نے اچانک دیکھا
کہ ایک دس گیارہ سال کا لڑکا ذرا فاصلے پر غلاموں میں روٹی دے
رہا ہے۔ زرتاش نے اسے فوراً پہچان لیا۔ یہ کیفن پورٹش روح کا بیٹا
خالد تھا۔ اگرچہ وہ دُبلا ہو گیا تھا مگر اس کی شکل ہو بہو تصویر والے
لڑکے خالد سے ملتی جلتی تھی۔

جب خالد روٹی تقسیم کرتا زرتاش کے قریب آیا تو زرتاش نے
دیکھا کہ خالد کے پاؤں میں لمبی زنجیر بندھی ہوئی تھی۔ اس کے
کپڑے پھٹے ہوئے تھے اور بالوں میں میل جما ہوا تھا۔ زرتاش کو
خالد کی حالت دیکھ کر سخت صدمہ ہوا۔ اس نے آہستہ سے سر جھکا

کر کہا۔

"میں تمہیں لینے آیا ہوں خالد... مجھے تمہاری ماں نے بھیجا ہے۔"

خالد ایک دم چونک اٹھا۔ اس نے زرتاش کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یہ باتیں بعد میں ہوں گی۔ آج رات جب قلعے کا گھڑیال بارہ بجاتے تو اسی جگہ آ جانا۔ ہم یہاں سے فرار ہو جائیں گے۔"

"نہیں نہیں۔ یہ ناممکن ہے۔"

خالد پیچھے ہٹنے لگا تو زرتاش نے کہا۔

"تمہاری ماں تمہارے غم میں دیوانی ہو رہی ہے خالد تمہیں میرے ساتھ چلنا ہو گا۔"

خالد زرتاش کو تکتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

اُس رات زرتاش جاگتا رہا۔ وہ دوسرے غلاموں کے ساتھ اسی جگہ زمین پر لیٹا ہوا تھا۔ دوسرے غلام دن بھر کی مشقت کے بعد گہری نیند سو گئے تھے۔ زرتاش جاگ رہا تھا۔ وہاں اندھیرا تھا۔ صرف دُور کونے میں ایک موم بتی روشن تھی جس کی روشنی زرتاش تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ وہ خالد کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔

اچانک اسے موم بتی کے قریب سے ایک انسانی ہیولا نکل کر اپنی طرف بڑھتا نظر آیا۔ یہ خالد تھا۔ وہ وعدے کے مطابق

آ گیا تھا۔ اس کے پاؤں میں زنجیر تھی مگر اس نے زنجیر کو زمین پر سے اُٹھا لیا ہوا تھا۔ جب وہ غلاموں کی چوکیداری کے بہانے زرتاش کے قریب سے گذرا تو زرتاش نے آہستہ سے کہا۔

"قلعے کی چھت... پچھلی طرف کھائی۔ چھلانگ لگا دو... میں آ رہا ہوں۔"

ایک پہرے دار نے دور سے زرتاش کو خالد کے ساتھ باتیں کرتے دیکھا تو قریب آ کر زور سے اسے ہنٹر مارا۔ خالد کی چیخ نکل گئی وہ سسکیاں بھرتا وہاں سے چلا گیا۔ زرتاش کو پہرے دار پر سخت غصہ آیا مگر وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ مجبور تھا۔ پہرے دار نے زرتاش کو بھی ایک زور دار مُکا مارا اور کہا۔

"بدبخت! اگر پھر کسی سے بات کی تو گردن اڑا دوں گا۔"

زرتاش خاموشی سے دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔ پہرے دار نے جیب سے سگار نکالا اور ماچس تلاش کرنے لگا۔ زرتاش کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے رہ گیا۔ یہ اس کا زہریلے پستول والا سگار تھا۔ زرتاش کے منہ سے اپنے آپ نکل گیا۔

"یہ... یہ سگار تم نے کہاں سے لیا؟"

پہرے دار نے ایک موٹی گالی دے کر کہا۔

"تم کون ہو پوچھنے والے؟ مجھے شیخ جبّال نے خوش ہو کر دیا ہے۔"

زرتاش یہ سگار کسی طرح اس سے چھین لینا چاہتا تھا مگر وہ جانتا تھا کہ پہرے دار اس کو کبھی سگار نہیں دے گا۔ پہرے دار نے اپنی جیب میں سے ماچس ڈھونڈ نکالی اور زرتاش کے دیکھتے دیکھتے سگار سلگا لیا۔ زرتاش گھبرا کر ایک طرف ہٹ کر بیٹھ گیا... کیونکہ وہ سگار کی بالکل سیدھ میں تھا اور سگار دینے سے وہ ہلاک ہو سکتا تھا۔

ابھی وہ سگار حاصل کرنے کے طریقوں پر غور ہی کر رہا تھا کہ ایک طرف سے شیخ جبّال اچانک نمودار ہو گیا۔ اس نے جو پہرے دار کو ڈیوٹی کے وقت سگار پیتے دیکھا تو کڑک کر بولا۔

"حرام خور! تمہیں منع کیا تھا کہ ڈیوٹی پر سگار نہیں پینا۔"

پہرے دار تھر تھر کانپنے لگا۔ شیخ جبّال نے آگے بڑھ کر پہریدار کے ہاتھ سے سگار چھین لیا اور اسے زور سے لات ماری۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور جبّال کے آگے ہاتھ باندھ کر معافی مانگنے لگا۔ جبّال نے سگار کا ایک کش لگایا اور بولا۔

"یہ تو بڑا عمدہ سگار ہے۔"

زرتاش کھلی ہوئی آنکھوں سے اسے تک رہا تھا۔ اس کی نگاہیں شیخ جبّال کی انگلیوں پر تھیں جنہوں نے سگار کو تھام رکھا تھا۔ اس نے کہا۔

"یا شیخ! اگر آپ اسے ذرا دبا کر پئیں تو اس کا کش بڑا نرم

ہو کہ نکلے گا اور اس میں سے خوشبو بھی آئے گی ۔"

جبال نے زرتاش کو گالی دے کر کہا :

" بکواس بند کرو ۔ تم کون ہوتے ہو بولنے والے ۔"

لیکن جبال اجڈ آدمی تھا ۔ اس نے نرم کش لینے اور خوشبو کے لیے سگار کو دبا دیا ۔ اس میں سے بجلی کی طرح زہر کی نظر نہ آنے والی پھوار نکلی اور سامنے کھڑے پہرے دار کے چہرے پر پڑی اور وہ وہیں کھڑے کھڑے دھڑام سے گرا اور اکڑ گیا ۔ خرکار جبال کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ پہرے دار کو اچانک کیا ہو گیا ہے ۔ کیونکہ نیم اندھیرے میں اسے سگار میں سے نکلتی زہریلی پھوار نظر نہیں آئی تھی ۔ وہ سگار کو زمین پر پھینک کر پہرے دار کی لاش پر جھکا ۔

بس زرتاش اسی لمحے کے انتظار میں تھا ۔ اس نے جلدی سے سگار اٹھا کر منہ کے ساتھ لگا لیا ۔ خرکار جبال نے قہر آلود آنکھوں سے اسے دیکھا اور کہا ۔

" تم نے میرا سگار اٹھا لیا ؟ تمہاری یہ ہمت ؟"

خرکار جبال نے تلوار کھینچ لی اور زرتاش پر وار کرنے ہی والا تھا کہ زرتاش کا سگار اپنا کام کر چکا تھا ۔ زرتاش کی انگلیوں نے بڑی نفاست اور تیزی کے ساتھ سگار کو جبال کی طرف کر کے اسے دبا دیا تھا ۔ زہریلی پھوار کا دوسرا فائر ہوا جو خرکار جبال کی گردن پر لگا ۔ ظاہر ہے اس کے بعد وہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں رہ سکتا تھا ۔ وہ

گھما اور ٹھنڈی لاش کی طرح اکڑ گیا۔

زرتاش وہاں سے بھاگا۔ دوسرے غلام خوفزدہ ہوکر دوسری طرف بھاگ گئے۔ وہاں پہرے دار اور شیخ جبّال کی اکڑی ہوئی لاشیں پڑی رہ گئی تھیں۔

زرتاش نے سگار بجھا کر جیب میں رکھ لیا۔ اب وہ خالد کو اپنے ساتھ قلعے سے نکال کر فرار ہوجانا چاہتا تھا۔ اس نے اندھیرے برآمدے میں خالد کو اِدھر اُدھر دیکھا مگر وہ اسے نظر نہ آیا۔ دوسرے پہرے دار قلعے کی دیوار کے ساتھ ساتھ چل پھر کر پہرہ دے رہے تھے۔ کسی کو معلوم نہیں ہوا تھا کہ ان کا سردار خرکار جبّال مر چکا ہے۔

زرتاش نے سوچا کہ اسے کسی طرح یہاں سے نکل کر قلعے کی دیوار کے نیچے جا کر کھڑا ہوجانا چاہیے۔ ہوسکتا ہے خالد آدھی رات کو وہاں آجائے۔ زرتاش قلعے کے سارے راستوں سے واقف ہوچکا تھا۔ وہ ایک دیوار کے تنگ سوراخ میں سے نکل کر تاریک زینہ چڑھ کر قلعے کی چھت پر آگیا۔ رات سنسان اور تاریک تھی۔ وہ چھت پر رینگتا ہوا قلعے کی پچھلی طرف آگیا۔ یہاں اُس نے نیچے دیکھا۔ نیچے کھائی تھی اور اس میں خشک جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ زرتاش نے اللہ کا نام لے کر نیچے چھلانگ لگا دی۔ وہ سیدھا جھاڑیوں میں جا کر گرا۔ جھاڑیوں کی وجہ سے اسے چند ایک خراشیں ہی آئیں۔ وہ وہیں چھپ کر بیٹھ گیا۔ رات گذر رہی تھی۔

زرتاش کو خطرہ تھا کہ اگر شیخ جبال کی موت کا راز کھل گیا تو قلعے میں شور مچ جائے گا اور خالد وہاں سے نہیں نکل سکے گا۔ لیکن ابھی تک قلعے پر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ پھر اچانک زرتاش نے قلعے کی چھت پر ایک سایہ دیکھا۔ یہ خالد تھا۔ اس نے پتلی زنجیر ہاتھ میں تھام رکھی تھی، جس کا دوسرا سرا اس کے پاؤں سے بندھا تھا۔

زرتاش نے آہستہ سے سیٹی کی آواز نکالی۔ خالد نے نیچے کھائی میں جھک کر دیکھا۔ زرتاش نے آہستہ سے کہا۔

"خالد! کود جاؤ۔"

خالد سمجھ گیا کہ اس کو وہاں سے نکال کر اس کی ماں کے پاس لے جانے والا شخص نیچے موجود ہے۔ خالد نے بے دھڑک ہو کر چھلانگ لگادی۔ زرتاش نے آنکھیں بند کر لیں۔ خالد بھی جھاڑیوں پر گرا جنہوں نے اسے چوٹ لگنے سے بچا لیا۔ کیونکہ جھاڑیاں کافی گھنی اور نرم تھیں۔ زرتاش نے خالد سے سرگوشی کی۔

"چوٹ تو نہیں لگی؟"

"نہیں"۔ خالد نے آہستہ سے کہا۔

"پھر یہاں سے بھاگ چلو۔"

انہوں نے صحرا کی رات میں ایک طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ زنجیر کی وجہ سے خالد کو بھاگنے میں تکلیف ہو رہی تھی۔ اس وقت وہ کالی سنگلاخ پہاڑیوں میں سے گذر رہے تھے۔ زرتاش نے خالد

کو ایک جگہ بٹھا کر پتھر کی مدد سے اس کی زنجیریں توڑ ڈالیں زنجیر کے کھل جانے سے خالد آزاد ہو گیا اور زیادہ آسانی سے دوڑنے لگا۔ مگر بہت جلد دونوں کا سانس پھول گیا۔ زرتاشش نے خالد سے کہا۔

"ہمیں جتنی جلدی ہو سکے اس منحوس قلعے سے دور نکل جانا چاہیے۔ تمہیں معلوم نہیں ہے شیخ جبال ہلاک ہو چکا ہے۔"

خالد اندھیرے میں زرتاشش کو تکنے لگا۔

"کیا اسے آپ نے مارا ہے۔"

"تم۔ مت پوچھو۔ میرے ساتھ بھاگتے چلو۔"

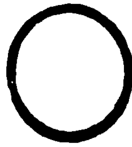
وہ کالی پہاڑیوں سے نکل کر کھلے صحرا میں آ گئے۔ ریت پر ان سے زیادہ نہیں دوڑا جاتا تھا۔ ان کے پاؤں ریت میں دھنس رہے تھے اور خطرہ ابھی تک ان کے سروں پر منڈلا رہا تھا۔ کسی بھی وقت قلعے میں سے خرکار نکل کر ان کو پکڑ سکتے تھے۔ اور اب تو ان کی سزا موت تھی۔ ان کی گردنیں اسی وقت قلم کر دی جاتیں۔

تھکاوٹ اور سانس پھولنے کے باوجود خالد اور زرتاشش بھاگتے چلے گئے۔ جب وہ بالکل تھک کر چور ہو گئے تو انہوں نے آہستہ آہستہ چلنا شروع کر دیا۔ رات کے اندھیرے کا زور ٹوٹ گیا تھا اور آسمان پر منہ اندھیرے کی ہلکی ہلکی روشنی ابھرنے لگی تھی۔ خرکاروں کا منحوس قلعہ کافی پیچھے رہ گیا تھا۔ مگر وہ ابھی تک خطرے سے باہر نہیں تھے۔ وہ چلتے چلے جا رہے تھے کہ خالد نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور چیخ کر

زرتاش نے کہا۔

"شاید۔ مگر یہ وقت ان باتوں کا نہیں۔ جلدی سے اس گھوڑے پر بیٹھ جاؤ۔"

ایک گھوڑے پر زرتاش اور دوسرے گھوڑے پر خالد بیٹھ گیا اور وہ صبح کے پھیلتے ہوئے اجالے میں گھوڑے دوڑاتے شہر کی جانب روانہ ہو گئے۔



شہر میں آکر زرتاش اور خالد نے نئے کپڑے پہنے۔ زرتاش نے خالد کے بارے میں معلوم کیا تو اس پر یہ حقیقت کھلی کہ وہ بغیر پاسپورٹ اور ویزے کے خالد کو کراچی یا لاہور بذریعہ طیارہ روانہ نہیں کر سکتا۔ یہ ایک الگ مشکل آن پڑی تھی۔ لیکن یہ ایک قانونی مسئلہ تھا۔ اب ایک ہی راستہ تھا کہ زرتاش، خالد کو ساتھ لیکر اسی سمندری راستے سے موٹر لانچ میں بیٹھ کر سمگلر جابر کے ٹاپو میں جائے اور وہاں سے کسی طریقے سے انسانی سر والے جہاز میں سوار ہو کر اور سندھی لڑکی کو ساتھ لے کر واپس کراچی روانہ ہو جائے۔

یہ کوئی آسان بات نہیں تھی۔ زرتاش کی شکل اب سمگلر جابر کے دوست کاشو کی نہیں تھی۔ سمگلر جابر خالد کو قید میں ڈال دے گا تاکہ اس سے کراچی کے اس سوداگر کا پتہ معلوم کیا جائے جس کے

پاس جواہرات کا خفیہ خزانہ تھا جس کے بارے میں زرتاش نے یونہی بات اڑائی ہوئی تھی۔ کافی سوچ بچار کے بعد اس نے خالد کو ساتھ لیا اور ان لوگوں سے جا کر ملا جو ناجائز اور خفیہ طور پر سمگلروں کو موٹر لانچوں میں قطر سے سمگلروں کے ٹاپو تک پہنچاتے تھے۔ اس سے پہلے جب وہ ان لوگوں کے ذریعے قطر میں پہنچا تھا تو وہ سمگلروں کے سردار ہاشم کے ساتھی کاشو کے حلیے اور اسی کی شکل میں تھا۔ لیکن اب اس کی شکل بدل چکی تھی۔ اب وہ اپنی اصلی زرتاش کی شکل میں تھا جس کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ مگر وہ موٹر لانچوں والوں سے ملا اور انہیں بتایا کہ وہ ٹاپو کے سمگلر جابر کا دوست ہے اور اسے ایک ایک خاص پیغام لیکر جا رہا ہے۔ زرتاش نے جب ان لوگوں کو سب کے نام پتے ٹھیک ٹھیک بتائے تو انہوں نے زرتاش کو موٹر لانچ میں بٹھا کر ٹاپو کی طرف روانہ کر دیا۔

خالد بڑا پریشان تھا۔ وہ دوبارہ سمگلروں کے پاس جاتے ہوئے ڈر رہا تھا۔ زرتاش نے اسے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا اور اسے ہدایت کی کہ وہ سمگلر جابر پر یہی ظاہر کرے کہ اسے کراچی کے اس سوداگر کا پتہ ہے جس نے اپنے مکان میں لاکھوں روپوں کے جواہرات کا خزانہ چھپا رکھا ہے۔

"تم یونہی کسی سوداگر کا نام لے لینا۔ تم کہہ دینا کہ اس کا نام سیٹھ عبدالخالق ہے اور اس کی کوٹھی سوسائٹی کے علاقہ میں ہے۔ باقی میں

سنبھال لوں گا۔"

خالد نے کہا۔

"انکل! وہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے۔ وہ بڑے ظالم ہیں۔ انہوں نے پہلے ہی مجھ پر بڑے ظلم کیئے ہیں۔"

زرتاش نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

"تم گھبراؤ مت۔ میں تمہیں ان سمگلروں اور قاتلوں کے نرغے سے نکال لوں گا۔"

پروفیسر زرتاش نے خالد کو یہ نہیں ظاہر کیا تھا کہ اس کی ماں اس کے غم میں مر چکی ہے۔ وہ یہ بری خبر اسے کراچی جا کر بتانا چاہتا تھا۔ ابھی وہ خالد کو اس کی والدہ کی موت کی خبر سنا کر پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جب موٹر لانچ کے ذریعے زرتاش سمگلر جابر کے ٹاپو پر پہنچا تو سمگلروں نے ایک اجنبی کو دیکھ کر اسے گھیر لیا۔ وہ زرتاش اور خالد کو پکڑ کر سمگلر جابر کے پاس لے گئے۔ جابر نے خالد کو تو پہچان لیا کہ یہ وہی غلام لڑکا ہے جس کو اس نے فروخت کیا تھا اور کاشو جسے لینے کے لیے گیا ہوا تھا۔ اس نے زرتاش کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تم کون ہو۔ یہ لڑکا تم کہاں سے لائے ہو ؟ کاشو کہاں ہے؟"

زرتاش نے بڑی چالاکی سے کہا۔

"میں کاشو کا چھوٹا بھائی ہاشو ہوں۔ اس لڑکے خالد کو برآمد کرتے ہوئے وہ دشمنوں کے ساتھ لڑتے ہوئے شدید زخمی ہو گیا ہے

س نے خاص طور پر خالد میرے حوالے کر کے تمہارے پاس بھیجا ہے۔"
سمگلر جابر نے سر سے پاؤں تک زرتاش کو دیکھا اور بولا۔
"ٹھیک ہے۔ تم اس لڑکے خالد کو میرے پاس چھوڑ کر واپس چلے جاؤ۔ تمہاری اب ضرورت نہیں ہے۔"
خالد رونے لگ گیا۔ زرتاش نے فوراً اسے حوصلہ دیا۔
"تم کیوں روتے ہو؟ خاموش۔ تمہیں یہاں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ نہیں کراچی کے سوداگر کا پتہ بتا دینا۔ یہ تمہیں ماریں گے نہیں۔"
پھر اس نے سمگلر جابر سے کہا۔
"میں آج رات آرام کر کے صبح واپس چلا جاؤں گا۔"
سمگلر جابر خالد کو لیکر ٹاپو والی اپنی حویلی میں لے گیا اور وہاں اس سے کراچی کے سوداگر کا نام پوچھا۔ خالد نے وہی نام اور پتہ بتا دیا جو اسے زرتاش نے بتایا تھا۔ سمگلر جابر نے خالد کو کوٹھڑی میں بند کر دیا۔ اس کی ساتھ والی کوٹھڑی میں سندھی لڑکی فاطمہ قید میں پڑی تھی۔
زرتاش بے چین تھا۔ وہ خالد اور سندھی لڑکی فاطمہ کے بغیر اس ٹاپو سے کیسے واپس جا سکتا تھا۔ وہ کوٹھڑی میں بستر پر لیٹا بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔ اس کے پاس صرف وہی رات تھی۔ اسے جو کچھ کرنا تھا اسی وقت کرنا تھا۔ وقت گذر رہا تھا۔ زرتاش کے پاس سوائے زہریلے پستول والے سگار کے اور کوئی ہتھیار نہیں

تھا۔ اب وہ بھرپور حملہ کر دینا چاہتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ سمگلر جابر نے اس کی نگرانی کے لیے کوٹھڑی کے باہر ایک سمگلر کو مشین گن دے کر پہرے پر لگایا ہوا تھا۔

زرتاش نے اچانک اپنے پیٹ کو پکڑ کر یوں چلانا شروع کر دیا جیسے اسے سخت درد ہو رہا ہے۔ پہرے دار سمگلر فوراً اندر آیا۔ اس نے دیکھا کہ زرتاش پلنگ پر درد سے تڑپ رہا تھا۔ اس نے پوچھا کیا ہوا؟ زرتاش نے اشارے سے اسے پاس بلایا۔ جونہی سمگلر مشین گن لیے اس کی طرف بڑھا زرتاش نے اچھل کر اس کی گردن دبوچ لی اور اس وقت چھوڑا جب وہ بے ہوش ہو کر اس کے ہاتھوں میں لٹک چکا تھا۔

زرتاش نے فوراً مشین گن اٹھائی اور کوٹھڑی سے باہر نکل آیا۔ وہ اندھیرے میں حویلی کے تہہ خانے کی کوٹھڑیوں کی طرف چلا۔ اسے معلوم تھا کہ خالد اور فاطمہ ان ہی میں سے کہیں قید میں پڑے ہوں گے۔ ایک کوٹھڑی کے باہر ایک آدمی رائفل لیے دیوار سے ٹیک لگائے اونگھ رہا تھا۔ زرتاش نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر زور سے مشین گن کا دستہ مارا۔ وہ اوں کی آواز نکال کر وہیں ڈھیر ہو گیا۔

زرتاش نے اس کی جیب سے چابیوں کا گچھا نکال کر کوٹھڑی کھولی۔ اندر موم بتی کی روشنی میں سندھی لڑکی فاطمہ کونے میں سہمی بیٹھی تھی۔ زرتاش نے جاتے ہی کہا۔

"فاطمہ! گھبراؤ نہیں۔ میں تمہیں یہاں سے آزاد کرانے آیا ہوں

فاطمہ حیران ہو کر زرتاش کو دیکھنے لگی۔ وہ اسے کوٹھڑی سے نکال کر لے آیا پھر دوسری کوٹھڑی کھول کر اندر گیا تو اندر خالد بیٹھا تھا۔
"انکل!" وہ زرتاش کو دیکھ کر بے اختیار بول اٹھا۔
"شی" زرتاش نے اسے خاموش رہنے کو کہا۔ "خاموشی سے میرے ساتھ چلو۔"
اندھیرے میں زرتاش نے خالد اور فاطمہ کو ساتھ لیا اور حویلی کے پچھلے دروازے سے نکل کر ریتیلے میدان سے گزرتا ہوا سمندر کے اس کنارے کی طرف چل پڑا جہاں انسانی سر والا بادبانی جہاز کھڑا تھا۔ ساحل سمندر پر ایک چھوٹی کشتی بندھی ہوئی تھی۔ زرتاش نے فاطمہ اور خالد سے کہا کہ وہ اس کے ساتھ رہیں اور اگر مقابلہ ہو گیا تو ادھر اُدھر بھاگنے کی ہرگز کوشش نہ کریں۔
اس نے دونوں کو کشتی میں بٹھایا اور رات کی تاریکی میں دور سمندر میں کھڑے انسانی سر والے جہاز کی طرف چل پڑا۔ انسانی سر والے جہاز میں کہیں کہیں روشنی ہو رہی تھی۔

بھید کھل گیا

جہاز کے اوپر انسانی چہرے کی ناک سے راستہ جاتا تھا۔

مگر زرتاش کشتی کو لے کر جہاز کے اوپر کی طرف آ گیا۔ یہاں جہاز کا لنگر سمندر میں ڈوبا ہوا تھا۔ زرتاش نے کشتی کو جہاز کے پیندے کے ساتھ لگا کر ایک رسی سے باندھ دیا اور فاطمہ اور خالد سے کہا کہ وہ اپنی جگہ سے ہرگز نہ ہلیں اور آواز بھی نہ نکالیں۔

"میں اوپر جا رہا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد تم دونوں کو بھی اوپر اٹھا لوں گا۔"

یہ کہہ کر زرتاش اچک کر لنگر کی موٹی زنجیر کے ساتھ چمٹ گیا اور آہستہ آہستہ اوپر چڑھنے لگا۔ رات کی وجہ سے جہاز کے اوپر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ زرتاش کے گلے میں مشین گن لٹکی ہوئی تھی۔ اس نے جہاز کے اوپر سر نکال کر دیکھا۔ عرشے پر دو سمگلر اس کی طرف پیٹھ کئے بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ زرتاش خاموشی سے جہاز پر چڑھ گیا اور پھر اندھیرے میں رینگتا رینگتا ان دونوں سمگلروں کے پیچھے جا

پہنچا اور مشین گن کی نالی کا رُخ ان کی طرف کر دیا۔
"تم میں سے کسی نے ذرا سی بھی حرکت کی تو میں چھلنی کر دوں گا فرش پر اوندھے منہ لیٹ جاؤ۔ ۔ ۔ جلدی۔"
مشین گن کو دیکھ کر دونوں سمگلر فوراً اوندھے منہ لیٹ گئے۔
زرتاش نے پہلا کام یہ کیا کہ ان کے ہاتھ باندھ کر منہ میں ان کے سروں سے رومال اتار کر ٹھونس دیئے کہ وہ آواز نہ نکال سکیں۔
جہاز کا عرشہ اب بالکل خالی تھا۔ زرتاش پیچھے گیا اور رسی کی سیڑھی پھینک کر فاطمہ اور خالد کو اوپر جہاز پر چڑھا لیا۔ دونوں کو ایک کھوکھے کے پیچھے بٹھا کر کہا۔
"یہاں سے باہر مت نکلنا۔ خواہ کچھ ہو جائے۔"
فاطمہ اور خالد کھوکھے کے پیچھے اندھیرے میں چھپ کر بیٹھ گئے۔
زرتاش اِس سے پہلے سمگلر کاشو کی شکل میں اس سارے جہاز کا جائزہ لے چکا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس جہاز میں چار بڑی توپیں ہیں جو خطرے کے وقت دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے نیچے انسانی سر کے ماتھے میں لگا رکھی ہیں۔ رات کے دس بج چکے تھے۔ جہاز پر جو سمگلر ہوا کرتے تھے وہ جزیرے پر گئے ہوئے تھے۔ صرف چار سمگلر جہاز کے کچن میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے اور اونچی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ یہ بڑے قاتل قسم کے سمگلر تھے اور ایک سیکنڈ میں گولی چلا دیتے تھے۔

زرتاش نے انہیں للکارا اور چھلانگ لگا کر ان کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ سمگلروں نے ریوالور نکال کر فائر کر دیا۔ زرتاش ایک دم فرش پر لیٹ گیا اور مشین گن کا ایک ایسا برسٹ مارا کہ چاروں کے چاروں سمگلر گر کر تڑپنے لگے۔

زرتاش اچھل کر کچن سے باہر آ گیا اور دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی۔

مشین گن اور پستول کی آوازیں سن کر نیچے مشین روم سے دو سمگلر اوپر کو بھاگے مگر اس سے پہلے کہ وہ زرتاش پر فائر کرتے زرتاش کی مشین گن نے ایک بار پھر شعلے اگلے اور دونوں سمگلر نیچے گر گئے۔ زرتاش بھاگ کر مشین روم میں آ گیا۔ یہ انسانی سر کے اندر کا حصہ تھا۔

یہاں بھی تین سمگلر اس کی طرف لپکے مگر زرتاش کی مشین گن نے تڑا تڑ فائر کر کے انہیں بھی وہیں ڈھیر کر دیا۔

اب جہاز میں اور کوئی سمگلر نہیں تھا۔ سارے جہاز پر زرتاش کا قبضہ ہو چکا تھا۔ وہ بھاگ کر اوپر آیا۔ فاطمہ اور خالد کو جہاز کی دوسری منزل میں لے جا کر ایک کیبن میں بٹھا دیا اور دوبارہ اوپر آ کر ہتھی نیچے گرا دی۔ جہاز کا لنگر اوپر اٹھنا شروع ہو گیا۔ جب لنگر سمندر سے باہر نکل آیا تو زرتاش نے نیچے، انسانی سر کے سینے میں اتر کر جہاز کے دونوں انجن چلا دیئے۔

انسانی سر کی آنکھوں سے روشنی نکلنے لگی۔ جہاز میں حرکت پیدا ہوئی۔ زرتاش نے اس کا رُخ کھلے سمندر کی طرف کرنے کی بجائے ٹاپو کی طرف کر دیا۔ اور انسانی سر جس کی کھوپڑی پر جہاز رکھا گیا تھا اس کے ماتھے کی چاروں کھڑکیاں کھول کر توپوں کی نالیاں باہر نکال دیں۔ انجن کے شور سے ٹاپو میں جابر کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اپنے آدمیوں کو لے کر کشتیوں میں سوار ہو کر جہاز کی طرف آیا۔ اسے یہی علم تھا کہ جہاز کے سمگلروں نے بغاوت کر کے جہاز پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس کے ساتھیوں نے جہاز پر فائرنگ شروع کر دی۔

عین اس وقت جہاز کے انسانی سر کے ماتھے کی کھڑکیوں میں سے چار توپیں دھائیں دھائیں کی آوازوں سے فائر ہوئیں۔ گولے سمگلروں کی کشتیوں میں آکر پھٹے اور ان کے پرخچے اُڑ گئے۔ زرتاش نے فاطمہ اور خالد کو نیچے بُلا لیا تھا اور وہ توپوں میں گولے بھرنے میں زرتاش کی مدد کر رہے تھے۔

توپوں میں سے گولوں کی ایک اور قطار فائر ہو کر نکلی اور ٹاپو پر جابر سمگلر کی حویلی پر جا کر گری۔ بھیانک دھماکوں کے ساتھ حویلی کا ملبہ اور اینٹیں اور سمگلروں کے جسموں کے ٹکڑے اندھیرے میں آسمان کی طرف اُڑ گئے۔ زرتاش دھڑا دھڑ ٹاپو کے سمگلروں پر گولے برسا رہا تھا۔ وہاں جگہ جگہ آگ لگ چکی تھی اور سمگلروں کے سارے ٹھکانے تباہ و برباد ہو گئے تھے۔ زرتاش نے گولہ باری

بند کر دی اور خالد سے کہا۔

"اب یہاں کبھی یہ سمگلر انسانی بچوں کو فروخت کرنے کا ناپاک دھندا نہ کر سکیں گے۔"

خالد اور فاطمہ بڑے خوش تھے۔ فاطمہ نے کہا۔

"انکل! مجھے میری ماں کے پاس پہنچا دیں گے ناں؟"

زرتاش نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر کہا۔

"بیٹی! تمہیں اور خالد... دونوں کو تمہاری ماں کے پاس پہنچانے کے لیے ہی تو میں یہاں آیا تھا۔"

خالد نے کہا۔

"انکل! اس جہاز کو ایک بہت بڑے انساں کے سر نے اوپر اُٹھا رکھا ہے۔"

زرتاش مسکرا کر بولا۔

"ہاں۔ یہ سب لوگوں کو ڈرانے کے لیے سمگلروں نے کیا ہوا تھا۔ اصل میں یہ انسانی سر دھات اور لکڑی کا بنا ہوا ہے اور اس کے اندر جہاز کے انجن لگے ہوئے ہیں۔"

فاطمہ نے کہا۔

"انکل آپ جہاز کو چلا لیتے ہیں؟"

کیوں نہیں بیٹی! میں جاسوس ہوں اور ایک جاسوس کو سب کچھ سیکھنا پڑتا ہے۔"

خالد نے کہا۔

"انکل اب ہم کراچی جا رہے ہیں ناں۔"

"ہاں بیٹا۔ کراچی تم لوگوں کے گھروں کی طرف۔ ہاں۔ فاطمہ کو اس کے گھر حیدرآباد پہنچانا ہوگا۔"

فاطمہ اپنی ماں اور بہن بھائیوں کو یاد کر کے اداس ہوگئی۔ زرتاش نے اسے پیار کیا اور کہا۔

"فکر نہ کرو بیٹی! اب تم بہت جلد اپنے ابو امی کے پاس پہنچ جاؤ گی۔"

جہاز کے انجن چل رہے تھے۔ زرتاش نے جہاز کا رخ کراچی کی طرف موڑ دیا تھا اور جہاز اپنی منزل کی طرف سمندر میں چلا جا رہا تھا۔ زرتاش کو معلوم تھا کہ اس کا جہاز سمگلروں کے سردار ہاشم کے کالی پہاڑیوں والے آسیبی جزیرے کے قریب سے گزرے گا۔ لیکن وہ جہاز کو ادھر نہیں لے جانا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جہاز کو لیکر سیدھا کراچی کی بندرگاہ پر پہنچے۔ وہاں پہنچ کر انسپکٹر سلطان اور کسٹم کے سپاہیوں کی مدد سے جزیرے پر چھاپہ مار کر ہاشم سمگلر اور اس کے سپاہیوں کو گرفتار کر لے۔

زرتاش نے جہاز کے مشین روم میں جا کر جہاز کا رخ موڑ دیا تھا۔ اور اسے آسیبی جزیرے سے دور سے ہو کر گزرنے والے سمندری راستے پر ڈال دیا تھا۔ آسیبی جزیرے تک کا سمندری سفر آٹھ گھنٹوں

کا بنتا تھا اور پھر و ر سے کراچی تک کا سمندری راستہ دو گھنٹے کا تھا۔ یہ سارا سمندری راستہ ویران تھا اور ادھر سے کوئی جہاز نہیں گذرا کرتا تھا۔

ساری رات جہاز چلتا رہا۔ زرتاش نے کچن اور دوسری جگہ سے سمگلروں کی لاشیں نکال کر سمندر میں پھینک دی تھیں۔ کچن میں کھانے پینے کا بڑا سامان تھا۔ زرتاش نے چاول ابالے۔ گوشت بھونا۔ خود بھی کھایا اور فاطمہ اور خالہ کو بھی کھلایا۔ دونوں بچوں کو ایک مدت بعد اچھا کھانے کو ملا تھا۔ وہ کھانا کھاتے ہی کیبن میں سو گئے۔

زرتاش دوربین لیکر جہاز کے عرشے پر آ گیا۔ آٹھ گھنٹے گذرنے کے بعد صبح ہو گئی اور زرتاش نے دوربین میں سے مشرق کی طرف دیکھا۔ سمگلر ہاشم کا آسیبی جزیرہ اور اس کی کالی کالی پہاڑیاں دُور دھبوں کی طرح نظر آ رہی تھی۔ جہاز اس جزیرے سے کافی فاصلے پر سے ہو کر گذر رہا تھا۔ زرتاش بھی چاہتا تھا۔ اس نے فاطمہ اور خالہ کو اُٹھا دیا۔ انہوں نے منہ ہاتھ دھوئے زرتاش نے ناشتہ بنا کر انہیں دیا۔

اچانک جہاز کے اوپر گھر گھر اور پروں کے پھڑ پھڑانے کی آوازیں سنائی دیں۔ زرتاش مشین گن لے کر اوپر کی طرف بھاگا۔ فاطمہ اور خالد بھی اس کے پیچھے پیچھے آ گئے۔ زرتاش نے دیکھا کہ جہاز کے اوپر وہی بڑے بڑے پروں والا دیو پیکر بھیانک انسان

اُڑتا ہوا چکر لگا رہا تھا۔ فاطمہ اور خالد اسے دیکھ کر چیخیں مارتے ہوئے نیچے بھاگ گئے۔ زرتاش نے اُڑتے ہوئے دیو نما مشینی انسان کے پیٹ کا نشانہ لیکر مشین گن کی گولیاں فائر کر دیں۔ گولیاں مشینی انسان کے پیٹ میں لگی ہوئی گراریوں کو توڑتی ہوئی گذر گئیں۔

اڑنے والا دیو ہیکل انسان پروں کو آہستہ آہستہ گردش دیتا دھڑام سے جہاز کے عرشے پر آ کر اُتر گیا اور بالکل ساکت ہو گیا۔ اب وہ نہیں اڑ سکتا تھا۔ زرتاش نے اس کے پیٹ کی کھڑکی کھول کر اندر سے ٹوٹی ہوئی گراریاں نکال کر پھینک دیں۔ یہ اڑنے والا بھیانک انسان اب بیکار ہو گیا تھا مگر وہ جہاز کے عرشے پر اسی طرح ایک طرف کو جھکا ہوا کسی جن بھوت کی طرح کھڑا تھا۔

زرتاش نے فاطمہ اور خالد کو نیچے سے بلا لیا۔ وہ اتنے بڑے پروں والے بھوت نما انسان کو دیکھ کر ڈر گئے۔ زرتاش نے انہیں سمجھایا کہ یہ کوئی بھوت نہیں تھا بلکہ ایک مشینی انسان ہے اور انجینئرنگ کا کمال ہے۔ مگر سمگلروں نے اسے لوگوں کو ڈرانے کے لیے اسے بنایا تھا۔

”ہمارے جہاز کی آواز سن کر یہ جزیرے میں سے اڑ کر ادھر آ گیا۔ کیونکہ اس کو اسی طرح سیٹ کیا ہوا ہے کہ جب اس کے اندر لگی ہوئی مشین سے جہاز کی آواز کی لہریں ٹکراتی ہیں تو یہ اپنے آپ اُڑ کر جہاز کے اوپر پہنچ جاتا ہے۔“

”انکل میں نے اتنا بڑا آدمی پہلے نہیں دیکھا۔“ فاطمہ نے سہمی

ہوئی آواز میں کہا۔

خالد بھی پتھر کی طرح بے حس کھڑے دیو پیکر اڑن انسان کو تک رہا تھا۔

"انکل! کہیں یہ پھر تو نہیں اُڑنے لگے گا؟"

"نہیں۔ میں نے اس کے اندر سے پرزے نکال دیئے ہیں۔ اب یہ بیکار ہے۔"

فاطمہ نے کہا۔

"انکل! اسے سمندر میں پھینک دیں۔"

زرتاش بولا۔

"ہم اسے کراچی کے عجائب گھر میں لے جا کر رکھیں گے۔ بچے اسے دیکھ کر بہت خوش ہوں گے۔"

جہاز پوری رفتار سے کراچی کی طرف جا رہا تھا۔ ایک گھنٹے بعد دُور سے کراچی شہر کے کارخانوں اور بندرگاہ کی عمارتیں نظر آنے لگیں۔

پھر اچانک کسٹم کے دو موٹر لانچ اس انسانی سر والے جہاز کو دیکھ کر پیچھے کو بھاگ کھڑے ہوئے۔ بندرگاہ پر شور مچ گیا کہ انسانی سر والا آسیبی جہاز کراچی کی طرف آ رہا ہے۔ ایکدم سے فوج کے دو ہیلی کاپٹر اُڑے اور جہاز کے اوپر آ گئے۔ ایک ہیلی کاپٹر میں سے سپیکر پر آواز آئی۔

"تم کون ہو؟ جلدی بتاؤ۔ نہیں تو راکٹ مار کر جہاز تباہ

کر دیا جائے گا۔"

زرتاش نے فوراً سفید رومال لہرانا شروع کر دیا۔ اس کے پاس لاؤڈ سپیکر نہیں تھا۔ لیکن سفید رومال صلح کا اشارہ تھا۔ ہیلی کاپٹر واپس چلے گئے۔ اس کے بعد فوج موٹر لانچوں میں آگئی اور جہاز کو رُکنے کا حکم دیا۔ زرتاش نے جہاز کے انجن بند کر دیئے اور لنگر پھینک دیا۔ فوج کا کمانڈر انسانی سر والے جہاز کو دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ زرتاش نے رسّی کی سیڑھی نیچے پھینک دی۔ کمانڈر دو باڈی گارڈ سپاہیوں کے ہمراہ اوپر آگیا۔ اوپر ایک دیو ہیکل انسان بڑے بڑے پروں کے ساتھ کھڑا تھا۔

"یہ سب کیا ہے؟ تم کون ہو؟"

کمانڈر! میرا نام زرتاش ہے۔ پروفیسر زرتاش۔ میں پروفیسر بھی ہوں اور سرکاری سراغرساں بھی ہوں۔"

اس کے بعد زرتاش نے اسے ساری کہانی سنا ڈالی اور فاطمہ اور خالد کے بارے میں بتایا کہ وہ انہیں قاتل قسم کے سمگلروں کے چنگل سے چھڑا کر لا رہا ہے۔ زرتاش نے کمانڈر کے وائرلیس پر کراچی کے انسپکٹر سلطان سے بات کی اور اسے بتایا کہ اس کا مشن مکمل ہو گیا ہے اور جس آسیبی جہاز اور اڑنے والے انسان سے وہ خوف کھاتے تھے وہ ان کو قبضے میں لے کر واپس آگیا ہے۔

ایکدم شہر میں خبر پھیل گئی۔ اخباروں کے فوٹو گرافر اور رپورٹر پہنچ گئے۔ زرتاش نے کمانڈر سے کہا کہ جب تک آسیبی جزیرے پر چھاپہ

مار کر سمگلروں کے سردار ہاشم کو گرفتار نہیں کر لیا جاتا یہ خبر اخباروں میں یا ریڈیو پر نہ دی جائے کیونکہ اس طرح وہ فرار ہو جائیں گے۔

کمانڈر نے کہا۔

"پروفیسر زرتاش! تم فکر نہ کرو۔ ہم ابھی اس وقت آسیبی جزیرے پر ہلّہ بول کر سارے سمگلروں کو گرفتار کر لیں گے۔"

بحریہ نے انسانی سر والے عجیب و غریب جہاز اور اڑنے والے مشینی انسان کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ انسپکٹر سلطان بھی وہاں آ گیا تھا۔ وہ زرتاش کے گلے لگ کر ملا۔ زرتاش کا اسسٹنٹ ٹیڈی بھاگتا ہوا ہے اور پروفیسر زرتاش سے ہاتھ ملا کر بولا۔

"سر! آپ نے تو سمگلروں کا دھڑن تختہ کر دیا۔ اف کیا کارنامہ کیا ہے آپ نے ... فل فل کفیل! فل فل کفیل! توبہ ... یہ جہاز ہے کہ بھوت؟"

پروفیسر زرتاش نے سندھی لڑکی فاطمہ کو پولیس انسپکٹر سلطان کے حوالے کر دیا کہ اسے اس کے ماں باپ کے پاس حیدرآباد پہنچا دیا جائے۔ اور خالد کو اپنے ساتھ لیکر پروفیسر زرتاش پولیس ہیڈ کوارٹر آ گیا۔ جہاں اس نے اپنی کارروائی اور اپنے مشن کی پوری رپورٹ لکھ کر دی۔ لاہور انسپکٹر فرید اور آئی جی پولیس کو فون پر خوش خبری سنائی کہ اس نے ایک نیا مشن مکمل کیا ہے اور ایک لڑکے خالد کو سمگلروں سے برآمد کر لیا ہے۔ انہوں نے زرتاش کو مبارکباد دی۔

اسی وقت فوج کی دس موٹر لانچوں نے آسیبی جزیرے پر چاروں

طرف سے حملہ کر دیا۔ مارٹر توپوں کے گولے سمگلروں کے سردار ہاشم کی حویلی میں گر کر پھٹنے لگے۔ ہر طرف افراتفری مچ گئی۔ سمگلر رائفلیں لیکر باہر نکل آتے مگر وہ فوج کا مقابلہ بھلا کیسے کر سکتے تھے۔ فوج نے سارے جزیرے پر قبضہ کر کے سمگلر ہاشم کو ہتھکڑی ڈال دی اور اس کے ساتھیوں کو بھی گرفتار کر لیا۔

خالد اب اپنی امی سے ملنے کے لیے بے قرار ہو رہا تھا۔ زرتاش نے اسے ابھی تک نہیں بتایا تھا کہ اس کی امی مر چکی ہے اور لاہور کے قبرستان میں دفن ہے۔ خالد اپنے کراچی والے مکان پر جا کر جلدی سے جلدی اپنی امی سے ملنا چاہتا تھا۔ اور زرتاش اسے وہاں نہیں لے جانا چاہتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہاں خالد کی امی نہیں ہے بلکہ امی کی سہیلی ہے جو خالد کو دیکھتے ہی رونے لگ جائے گی اور اسے بتا دے گی کہ بیٹا! تم اب آئے ہو۔ تمہاری ماں تو تمہاری یاد میں رو رو کر مر گئی۔

زرتاش چاہتا تھا کہ خالد کو کسی طرح اپنے ساتھ لاہور لے جائے۔ پھر اسے کسی طریقے سے آہستہ آہستہ بتائے کہ اس کی امی بیمار رہ کر مر گئی تھی اور اب اس کی روح سے اس کی ملاقات کرائی جا سکتی ہے۔ مگر یہ بڑا کٹھن کام تھا۔ زرتاش کو خطرہ تھا کہ کہیں اپنی ماں کی موت کی خبر سن کر خالد کا ہارٹ فیل نہ ہو جائے۔ کیونکہ اس کے دل میں اپنی امی سے ملنے کا بڑا ارمان تھا۔ اس دنیا میں اس کا امّی کے سوا

اور کوئی نہیں تھا۔ زرتاش نے اپنے اسسٹنٹ ٹیڈی سے مشورہ کیا تو اس نے کہا۔

"سر! میں تو کہتا ہوں کہ خالد کو بتا دیں کہ اس کی ماں مر چکی ہے۔ یہ تخم فل فل اسی جگہ ختم کر دیں۔"

زرتاش نے کہا۔

"میں ایکدم اسے یہ بُری خبر نہیں بتانا چاہتا۔"

ٹیڈی بولا۔

"تو پھر خالد سے کہیں اس کی امّی بیمار ہے اور لاہور کے ایک ہسپتال میں ہے۔ اس طرح ہم اسے اپنے ساتھ لاہور لے چلیں گے۔"

"وہ ہسپتال میں جانے کو کہے گا۔" زرتاش نے کہا۔

ٹیڈی بولا۔

"ہم کہیں گے کہ ڈاکٹروں نے ملنے سے منع کر رکھا ہے پھر ایک دن اسے بتا دیں گے کہ اس کی امی تو فوت ہو چکی ہے... پھر ہم اس کی روح سے اس کی ملاقات کرا دیں گے۔ ہو سکتا ہے خالد کا اپنی ماں کی روح سے مل کر سارا غم جاتا رہے۔"

زرتاش نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنی ٹائی ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔

"بہر حال اسی ترکیب پہ عمل کرنا ہو گا ہمیں۔"

پروفیسر زرتاش نے خالد کو باتوں ہی باتوں میں کہا کہ اس کی امی لاہور میں ہے اور سخت بیمار ہے۔ خالد تو پریشان ہو گیا۔ وہ رونے لگ پڑا۔ زرتاش نے اسے تسلی دی اور کہا کہ اس کی امی ٹھیک ہو جائے گی۔ وہ فکر نہ کرے۔ اسی روز زرتاش خالد کو لاہور لے آیا۔ اس نے خالد کو انسپکٹر فرید کے گھر پر رکھا۔ اس خیال سے کہ خالد اس کے فلیٹ پر ہوا اور خالد کی امی کی کفن پوش روح ایک دم آگئی تو خالد صدمے سے بے ہوش نہ ہو جائے۔

زرتاش خالد کو یہ سب کچھ آہستہ آہستہ بتانا چاہتا تھا کہ اس کی ماں فوت ہو چکی ہے اور اب اس کی روح اس کو ملنے کے لیے بے قرار ہے۔

ادھر خالد ضد کر رہا تھا کہ اسے ہسپتال اس کی امی کے پاس لے جایا جائے۔ زرتاش نے کہہ دیا کہ ڈاکٹروں نے کسی سے ملنے سے منع کر رکھا ہے۔ خالد بے چارہ سارا دن انسپکٹر فرید کے گھر میں اداس بیٹھا رہتا۔ نہ وہ کسی سے بات کرتا تھا اور نہ ٹھیک طرح سے کھانا کھاتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ہر وقت آنسو رہتے تھے اور وہ اپنی امی کو یاد کر کے آہیں بھرتا رہتا تھا۔

زرتاش کفن پوش روح یعنی خالد کی امی کی روح سے ملنے قبرستان بھی گیا مگر وہاں روح نہ آئی۔ وہ کفن پوش روح کو خوش خبری سنانا چاہتا تھا کہ وہ اس کے بیٹے خالد کو ڈھونڈ کر لے آیا ہے۔ کفن پوش

روح اس کے فلیٹ پر بھی نہیں آ رہی تھی
ٹیڈی کہنے لگا۔

”سر! میرا خیال ہے کفن پوش روح وی سی آر لیے باڑے سے چلی گئی ہے شاید۔“

لیکن اس رات کفن پوش روح نمودار ہو گئی۔

رات سرد اور تاریک تھی۔ پروفیسر زرتاش ڈرائینگ روم میں بیٹھا پڑھ رہا تھا کہ اسے اچانک کفن پوش روح کی وہی خاص گھنگھروؤں اور پھر چوڑیوں کی چھنکار سنائی دی۔ وہ کتاب بند کر کے اُٹھ کھڑا ہوا۔

پھر ہُو ہُو کی ڈراؤنی اُلو ایسی آواز آئی۔ زرتاش نے کھڑکی کھول دی۔ کفن پوش روح اندھیری سرد رات میں باہر باغ میں کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں پر کفن کے سوراخوں میں سے نیلی روشنی نکل رہی تھی زرتاش نے کہا۔

”میں تمہارے بیٹے خالد کو لے آیا ہوں؟“

”کہاں ہے میرا بچہ؟“

زرتاش نے کہا۔

”انسپکٹر فریدہ کے گھر ہے۔ مگر میں اسے کیسے بتاؤں کہ تم مر چکی ہو اور تمہاری روح اس سے ملنا چاہتی ہے۔

کفن پوش روح نے کہا۔

پروفیسر! تم کل اسی وقت میرے بیٹے کو لیکر اس ڈرائینگ روم

میں انتظار کرنا۔ میں آؤں گی اور اپنے بچے کو اپنی موت کے بارے میں خود بتادوں گی۔ اب میں جاتی ہوں۔"

اور کفن پوش روح گھنگھروؤں کی جھنکار اور چوڑیوں کی چھنکار کے ساتھ باغ کے اندھیرے میں غائب ہو گئی۔

اگلے روز رات کو زرتاش خالد کو لیکر ڈرائنگ روم میں بیٹھ گیا۔ اس نے خالد کو بس اتنا ہی بتایا تھا کہ اس کی امی اس سے ملنے خود آ رہی ہے۔ خالد بے چین تھا۔ وہ بار بار پوچھ رہا تھا کہ امی کب آ رہی ہے۔ جب رات کے بارہ بج گئے تو گھنگھروؤں کی آواز بلند ہوئی۔ پھر چوڑیوں کی چھنکار سنائی دی اور ہُو ہُو کی ڈراؤنی آواز آئی۔

خالد خوف کے مارے کانپنے لگا۔

"انکل! یہ کیا ہو رہا ہے؟"

زرتاش نے اسے اپنے ساتھ لگا کر پیار کیا اور کہا۔

"میرے بچے! ہمت مت ہارنا۔ تمہاری... تمہاری والدہ کی رُوح... رُوح تم سے ملنے۔"

اس سے آگے زرتاش کچھ نہ کہہ سکا۔ خالد چیخ مار کر بولا۔

"انکل! کیا میری امی کی رُوح؟ میری امی مر چکی ہے؟"

اور وہ بلک بلک کر رونے لگا۔ عین اس وقت کھڑکی کھلی اور کفن پوش روح ڈرائننگ روم میں داخل ہو گئی۔ خالد سہم گیا۔ زرتاش نے کہا۔

"بیٹا خالد! میں نے جو راز آج تک تمہیں نہیں بتایا آج بتاتا ہوں۔

تمہاری امی فوت ہو چکی ہے اور یہ تمہاری امی کی روح ہے۔"

پھر زرتاش نے کفن پوش روح کی طرف دیکھ کر کہا۔

"مجھے معاف کر دینا کہ میں نے یہ راز فاش کر دیا۔ مگر میں مجبور ہوں۔ خالد بیٹے کو میں زیادہ دیر تک اندھیرے میں نہیں رکھ سکتا۔ لو... اپنے بیٹے کو جی بھر کر دیکھ لو تاکہ تمہاری روح کو جنت میں سکون مل سکے۔"

خالد کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ اس کا چہرہ خوفزدہ تھا۔ ٹیبل لیمپ کی روشنی میں اس کے سامنے دیوار کے پاس ایک کفن پوش روح کھڑی تھی جو اس کی امی کی روح تھی۔ زرتاش بھی خالد کے کاندھے پر شفقت سے ہاتھ رکھے خاموش کھڑا تھا اور ایک دکھی ماں کی روح اور اس کے بچھڑے ہوئے بچے کے ملاپ کا دردناک سین دیکھ رہا تھا۔

اچانک کفن پوش روح نے اپنے دونوں بازو کفن کے اندر سے نکالے کفن کو پھاڑ کر جسم سے اتار کر پرے پھینکا اور ہماری آنکھوں کے سامنے ایک خوبصورت عورت کھڑی تھی۔ اس نے خالد کی طرف بازو پھیلا کر چیخ مار کر کہا۔

"میرے بیٹے خالد!"

خالد سہم کر زرتاش کے ساتھ لگ گیا۔ جو پہلے ہی پھٹی ہوئی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا کہ یہ کفن پوش روح کے اندر سے کون نکل آیا ہے۔ کفن پوش روح نے کہا۔

"میرے بیٹے! میں زندہ ہوں۔ میں تمہاری ماں ہوں۔ میں مُردہ روح

نہیں ہوں۔ زندہ ہوں۔ آؤ۔ میرے سینے سے لگ جاؤ۔"

خالد ایک پل کے لیے تو ڈرا ہوا رہا۔ پھر جب اس کی ماں نے لپک کر اسے اپنے سینے کے ساتھ لگا لیا تو وہ بھی اپنی باہیں ماں کی گردن میں ڈال کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ سب سے زیادہ حیرانی زرتاش کو ہو رہی تھی کہ مردہ عورت کیسے زندہ ہو گئی۔

کفن پوش روح یعنی خالد کی ماں شکیلہ اختر نے ہاتھ باندھ لیے اور معافی مانگنے کے انداز میں بولی۔

"پروفیسر زرتاش! خدا کے لیے میری اس غلطی کو معاف کر دینا۔ میں ایک روح نہیں تھی بلکہ زندہ عورت تھی۔ میں نے یہ بھیس اس لیے بدلا کہ اگر زندہ حالت میں آپ سے ملی تو ہو سکتا ہے کہ اپنی مصروفیات کی وجہ سے آپ میرے جگر کے ٹکڑے خالد کو تلاش کرنے کی حامی نہ بھرتے۔ یا یہ کیس کسی دوسرے کے حوالے کر دیتے۔ لیکن میں جانتی تھی کہ اگر اس کیس کی سراغرسانی آپ نے نہ کی تو میرا بچہ مجھے کبھی نہ مل سکے گا۔ دیکھ لیں۔ میرا اندازہ بالکل ٹھیک نکلا۔ آپ نے میرے بیٹے کی سراغرسانی کا کیس ہاتھ میں لیا اور میرے بچے کو تلاش کر لیا۔"

زرتاش نے کہا۔

"لیکن وہ ... وہ گھنگھروؤں کی چھن چھن، چوڑیوں کی چھنکار اور ہُو ... ہُو ... ہُو کی ڈراؤنی آواز کیا تھی؟"

خالد کی ماں نے اپنی جیب میں سے چھوٹا سا کیسٹ پلیئر نکال کر

میز پر رکھ دیا اور اس کا بٹن دبا دیا۔ کیسٹ چل پڑی اور اندر سے گھنگھروؤں کی چھن، چوڑیوں کی جھنکار اور پھر کسی عورت کی ہوُ... ہوُ... ہوُ کی ڈراؤنی آواز بلند ہونے لگی۔

زرتاش بت بنا یہ آوازیں چھوٹے سے ٹیپ ریکارڈر کے اندر سے نکلتی سن رہا تھا۔ اس نے کہا۔

"مگر۔ وہ آنکھوں سے نکلتی نیلی روشنی کہاں سے آ گئی تھی... کیا تم نے؟"

"ہاں..." خالد کی ماں نے کہا۔ "تمہارا خیال ٹھیک ہے۔"

مگر خالد کی ماں نے اسے ٹارچ کے چھوٹے چھوٹے نیلے رنگ کے دو بلب دکھائے جو کفن کی آنکھوں کے سوراخ کے اندر لگے ہوئے تھے۔ خالد نے پوچھا۔

"اور وہ قبر پر لگا پتھر کا کتبہ؟ اس پر تمہارا نام اور تمہارے کراچی والے گھر کا پتہ لکھا تھا۔"

خالد کی ماں نے کہا۔

"یہ کتبہ میں نے کراچی میں خفیہ طور پر بنا لیا تھا اور پھر لاہور میں آ کر تمہارے مکان کے قریبی قبرستان میں رات کے اندھیرے میں جا کر ایک گمنام قبر پر لگا دیا۔ پھر جب میں رات کے اندھیرے میں تمہارے پاس آتی تو تمہاری کھڑکی کے باہر آ کر ٹیپ ریکارڈر کا بٹن دبا دیتی جس کے اندر سے گھنگھروؤں کی چھن چھن، چوڑیوں کی چھنکار۔ پھر ہوُ... ہوُ...

ہئو..... کی ڈراؤنی آوازیں نکلتیں مجھے خطرہ تھا کہ کہیں تم ڈر نہ جاؤ۔ اسی لیے میں نے تمہیں دیکھتے ہی اپنے بچے کی دہائی دی تھی کہ میرے بچے خالد کو واپس لا دو۔ تمہارا دل پسیج گیا۔ ایک دکھی بیوہ کی روح کی فریاد اپنا اثر کر گئی۔ اگر میں زندہ حالت میں تمہارے پاس آتی تو ہو سکتا ہے تم پر اتنا اثر نہ ہوتا مگر ایک بھٹکتی ہوئی روح کی فریاد نے تمہارے دل پر گہرا اثر کیا اور تم میرے بیٹے کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ پھر جب میں کھڑکی میں سے واپس جاتی تو اپنے پاؤں کے نشان مٹا دیا کرتی تاکہ تمہیں یقین ہو جائے کہ میں ایک روح ہی ہوں۔"

خالد صوفے پر بیٹھ گیا۔ شکیلہ اختر بھی اپنے بیٹے خالد کو سینے سے لگائے صوفے پر بیٹھ گئی۔ زرتاش نے کہا۔

"مگر تمہاری کراچی کی سہیلی نے بھی کہا تھا کہ تم مر چکی ہو۔"

خالد کی ماں کہنے لگی۔

"وہ میری گہری سہیلی ہے۔ اس کو میں نے ساری سکیم بتا دی تھی۔ اس نے میرے لاہور جانے کے تھوڑے دنوں بعد وہاں مشہور کر دیا کہ میں لاہور جا کر اپنے بچے کی جدائی کے صدمے کی وجہ سے مر گئی ہوں۔ اور پھر جب تم اس کے پاس گئے تو اس نے تمہیں بھی یہی بتایا کہ میں مر چکی ہوں۔ خالد کی تصویر بھی میں نے اسی سے لاہور منگوائی تھی۔ چنانچہ جب تم میرے کراچی والے گھر میں گئے تو میری سہیلی نے خالد کی تصویر والا خالی فریم جان بوجھ کر میز پر تمہارے سامنے رکھ دیا تھا۔ تم نے تصویر کے بارے میں پوچھا تو اس نے

کہا کہ فریم میں سے خالد کی تصویر اپنے آپ غائب ہو گئی ہے۔ خدا جانے کہاں چلی گئی ہے۔ تمہیں اب پورا یقین ہو گیا کہ یہ تصویر میں نے اپنی ایک سہیلی روح کی مدد سے منگوائی ہے۔ اب تم ایک دکھی، بھٹکتی ہوئی ماں کی روح کی مدد کرنے کے لیے دل و جان سے تیار ہو گئے اور یوں تمہاری محنت اور کوشش کے نتیجے میں آج میرا بچہ، میرا خالد، میرے جگر کا ٹکڑا میرے پاس، میرے سینے سے لگا بیٹھا ہے۔''

زرتاش نے خالد کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''شکیلہ بہن! اگر تم ویسے بھی میرے پاس آجاتیں تو میں ضرور تمہاری مدد کرتا۔ یہ تو میرا انسانی فرض تھا۔''

خالد کی ماں کہنے لگی۔

''بس مجھے ڈر تھا کہ کہیں تم انکار نہ کر دو۔ یا یہ کیس کسی دوسرے کے حوالے نہ کر دو۔ اور میرا دل اپنے بیٹے کے گم ہو جانے سے خون کے آنسو رو رہا تھا۔ میں یہ بھیس بنانے پر مجبور ہو گئی اور خدا کا شکر ہے کہ کامیاب رہی۔''

اتنے میں ٹیڈی پردہ اُٹھا کر اندر آیا اور خالد کی امی یعنی شکیلہ کو دیکھ کر تعجب سے بولا۔

''یہ خاتون کون ہے سر؟ اور یہ ... یہ کفن پھٹا ہوا پڑا ہے؟ یہ کیا فل فل جبڑ جنگ ہے؟''

پروفیسر زرتاش نے کہا۔

"یہ وہی روح ہے جو آدھی رات کو اندھیرے میں آیا کرتی تھی۔"

"اوئی اللہ! میاں پوترو۔ میاں پوترو۔ بچاؤ۔ بچاؤ۔"

اور وہ چیختا چلاتا سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگ گیا۔ خالد اس کی امی اور زرتاش قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ خالد کی ماں نے زرتاش کو بتایا کہ وہ لاہور میں عورتوں کے ایک ہوسٹل میں رہتی ہے۔ اب وہیں خالد کے ساتھ جانا چاہتی ہے۔

زرتاش نے کہا۔

"رات بہت ہوگئی ہے۔ اب کہاں جاؤ گی بہن! یہیں سو جاؤ۔ مگر سوال یہ ہے کہ اب تم کراچی کیسے جاؤ گی۔ وہاں تو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تم مر چکی ہو۔"

خالد کی امی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ نے کئی بار اخبار میں خبر پڑھی ہو گی کہ مردہ زندہ ہو گیا۔ بس... میں یہی کہوں گی کہ کراچی میں کسی نے غلط خبر اُڑا دی تھی۔ میں تو اپنے بیٹے کی تلاش میں نکلی ہوئی تھی۔"

اور خالد کی امی نے خالد کا ماتھا چوم لیا۔ خالد اور زرتاش خوشی سے مسکرا رہے تھے۔

اوغلو! اوغلو! پیارے ساتھیو! پیارے دوستو! زرتاش کا آئندہ سنسنی خیز مشن کیا ہوگا؟ وہ کس قسم کے خطرناک حالات میں پھنس جائے گا؟ آپ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ اور ہم آپ کو بتا بھی نہیں سکتے۔ کیونکہ آپ کا مزا کرکرا ہو جائے گا۔ سسپنس ٹوٹ جائے گا۔ زرتاش کا اگلا مشن تو ایک قیامت خیز، تباہ کن، حیرت ناک مشن ہے۔ اس کی مکمل کہانی آپ زرتاش مشن کی اگلی کتاب میں پڑھیں جو شائع ہو چکی ہے۔ اسی وقت اپنے قریبی بک سٹال سے منگوا کر پڑھیں اور لطف اُٹھائیں۔

حسن لائبریری

زرتاشہ مشن

سمندری ڈاکو

اے حمید

ایک منفرد اور انوکھی کہانی۔

ٹیڈی ہیلی کاپٹر میں سیر کے لیے نکلا۔ اس کا ہیلی کاپٹر ایک ویران اور ساحلی علاقے میں کریش ہو گیا۔ جہاں سے وہ بے پناہ مشکلوں کے بعد سمندر کے ساحل پر پہنچا تو وہاں ایک اور مصیبت اُس کی منتظر تھی۔ وہ سمندری ڈاکوؤں کے چنگل میں پھنس گیا،

سمندری ڈاکوؤں کی دوسرے جہازوں سے خونریز جنگ۔ ایک خوفناک بلا نے تمام ڈاکوؤں کو ہلاک کر دیا۔ ٹیڈی کا جہاز ڈوب گیا۔ وہ کن کن مشکلات سے گذر کر سری لنکا کے ایک جزیرے میں پہنچا اور پھر اپنے وطن پاکستان۔

ایک ہولناک اور سسپنس سے بھرپور کہانی جو آپ مدتوں یاد رکھیں گے۔

زرتاشن مشن

ایٹمی مکڑے

اے حمید

سیارہ شوگان کی ملکہ حسن نتالی کو خلائی سیارے پر دوٹون کی مخلوق نے جو مکڑے کی شکل کی تھی اس وقت اغوا کرنے کی کوشش کی جب وہ مقابلہ حسن جیت کر سر پر سنہری تاج پہنے اپنے گھر جا رہی تھی۔ نتالی ایٹمی مکڑوں سے بچنے کے لیے زمین کی کشش میں پھنس کر پاکستان کے علاقے میں گر گئی۔

ایٹمی مکڑے بھی زمین پر اتر گئے۔

نتالی اور مکڑوں پر ہماری زمین کے کیا اثرات ہوئے۔ وہ کن کن مشکلات میں گھر گئے ——— خوش قسمتی سے نتالی ٹیڈی کے ذریعے پروفیسر زرتاش تک پہنچ گئی۔ پروفیسر زرتاش اور ٹیڈی نے کس ترکیب سے نتالی کو ایٹمی مکڑوں سے نجات دلائی۔ جب کہ ٹیڈی کے دماغ کو ایٹمی مکڑوں نے اپنے قبضے میں کر لیا تھا

ایڈونچر، سسپنس اور سائنسی معلومات سے بھرپور کہانی۔

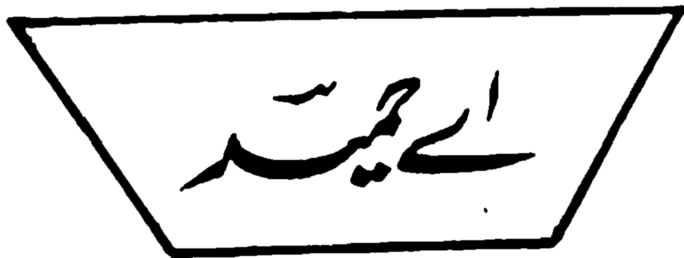
زرتاش کا تابوت

اے حمید

اہرام مصر دنیا کے عجائبات میں بہت مشہور ہے۔ وہاں پر مصر کے نامور حکمرانوں اور فرعونوں کے مزار ہیں جہاں ان کی حنوط شدہ لاشیں ہزاروں سال گزرنے کے باوجود اصلی حالت میں محفوظ ہیں۔ یہ مشہور ہے کہ مصر کے فرعونوں کی لاشوں کے ساتھ بے پناہ دولت بھی ان کے ساتھ ہی اُن کے مقبروں میں دفن ہے۔ ملکی و غیر ملکی اس دولت کو حاصل کرنے کی کوششیں کرتے رہتے ہیں۔ ایک بہت بڑے خزانے کی تلاش میں بہت سے لوگ مارے گئے مگر اُن کی ہلاکت کا راز معلوم نہیں ہوتا تھا۔ مصری حکومت کی خصوصی درخواست پر پروفیسر زرتاش اور ٹیڈی مصر جا کر اس راز کا پردہ چاک کرتے ہیں اور بے پناہ دولت حکومت مصر کو مقبرے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس مشن میں زرتاش اور ٹیڈی پر کیا بیتی یہ آپ کو ناول پڑھ کر ہی معلوم ہو گا۔ پُراسرار اور ایڈونچر سے بھرپور ایک مکمل ناول۔

زرتاش مشن

موت کا بلاوا



- پروفیسر زرتاش اور ٹیڈی ایک خطرناک مشن پر جاتے ہیں۔
- برما کے گھنے اور خطرناک جنگلوں میں وہ بار بار زہریلے سانپوں کے حملے سے کیسے بچے؟
- ایک کھوپڑی ٹیلیفون کرتی ہے؟
- انسانی چمگادڑوں کے شیطانی کارنامے اور پروفیسر زرتاش اور ٹیڈی ان کے تمام ناپاک ارادوں کو کس طرح خاک میں ملاتے ہیں؟
- سسپنس، ایڈونچر اور جاسوسی سے بھرپور مکمل کہانی

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز

خون آلود خنجر

مصنف : اشتیاق احمد

- اس کے خلاف ہر ثبوت مکمل تھا، لیکن اس کا کہنا تھا کہ وہ مجرم نہیں ہے۔
- ایسے میں اس نے اپنی بیوی سے ایک درخواست کی۔
- درخواست کیا تھی ؟
- محمود، فاروق اور فرزانہ ایک عمارت میں۔
- ایک شخص کی کہانی جو ایک گمنام کلب کا ممبر تھا۔

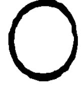
سے ۱۲
آپ

جاسوسی ناول

پڑھتے ہیں

اور

اگر آپ نے یہ دلچسپ پُر مزاح اور سنسنی خیز جاسوسی ناول نہیں پڑھے تو سمجھ لیجئے کہ کچھ نہ پڑھا — سطر سطر دلچسپ — صفحہ صفحہ تجسس،



— قبرستان کے سانپ : ڈاکٹر نزہت اکرام ۵/- روپے
— تخریب کار " " "
— سُرخ پرس " " "
— زلزلے کے بعد خالد محمود " "
— گردڑی فقیر احسان بی اے " "
— نابینا خنجر ضیاء ساجد " "
— ہتھکڑی کے آنسو " " "
— طیارے کا اغوا خالد محمود " "
— آزادی کے متوالے ڈاکٹر نزہت اکرام " "
— پراسرار جزیرہ " " "
— نیلا دائرہ پروفیسر مسکین علی حجازی " "
— گم شدہ بچہ ڈاکٹر نزہت اکرام " "

اگر آپ یہ کتابیں ایک ایک منگوائیں تو ہم آپ کو ۱۵ روپے کی خصوصی رعایت دیں گے اور ڈاک خرچ بھی ادارہ ادا کرے گا۔



عنبر ناگ ماریا، لاش زندہ ہوگئی، شیطان کی بیٹی، ناگ، بچھو اور موت کے تعاقب جیسی شہرہ آفاق سیریز کے خالق

اور ملک کے نامور مصنف، افسانہ نگار، ناول نگار اور ادیب

اے حمید

کا ایک اور نیا انتہائی دلچسپ اور ہنگامہ خیز سلسلہ

زرتاش مشن

قدم قدم پر سسپنس مزاح اور رونگٹے کھڑے کر دینے والے خطرناک اور انوکھے واقعات سے بھرپور

اس سیریز کا ہر ناول اپنی جگہ مکمل ہو گا !!!

یہ ناول شائع ہو گئے ہیں

- ۱ سانپ کی سیٹی پُراسرار سگنل
- ۲ زہریلے پستول والا سگار
- ۳ پلوٹونیم انسان گونگی لاش
- ۴ سیاہ پوش لال آنکھیں
- ۵ اصلی قاتل نقلی چہرہ
- ۶ علائی قبر کی زندہ لاش
- ۷ لاش کی دلہن
- ۹ قاتل کی بیٹی
- زرتاش مشن کا خاص نمبر خونی سازش
- ۱۰ تاتاری شہزادی
- ۱۱ گمشدہ جاسوس

اس ماہ کے ناول

- ۱۲ پُراسرار گنجہ
- ۱۳ جہاز کا بھوت
- ۱۴ ہیرے کی مصیبت
- ۱۵ خطرناک سمگلر

آئندہ آنے والے ناول

- ۱۶ ایٹمی ٹکڑے
- ۱۷ موت کا بُلاوا
- ۱۸ سمندری ڈاکو
- ۱۹ زرتاش کا تابوت

نقش پبلیکیشنز ○ راجپوت مارکیٹ ○ اُردو بازار ○ لاہور